کالی کتاب

اتنی سی بات

ہم دست بستہ ابا جان کے سامنے کھڑے تھے۔ ہمارے چہروں پر لرزہ طاری تھا۔ جسموں میں زلزلے کے آثار تھے۔ آنکھوں میں گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے نشانات تھے۔ ہاتھ اس طرح باندھ رکھے تھے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ ایسے میں ابا جان اخبار میں گم تھے۔ انہوں نے ہمیں اپنے کمرے میں داخل ہوتے تو ضرور دیکھا تھا اور اس کے بعد اخبار میں پھر سے اس طرح محو ہو گئے تھے، جیسے انہوں نے ہمیں کمرے میں داخل ہوتے دیکھا ہی نہ ہو۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ ابا جان صبح کی نماز سے فارغ ہو کر بستر میں گھس کر اخبار پڑھنے کے عادی تھے۔ ناشتے کی تیاری تک وہ اخبار پڑھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتے تھے اور اس کے بعد وہ ہوتے اور موٹی موٹی کتابیں۔ کبھی کبھی تو ہم سوچا کرتے تھے کہ یہ اتنی بہت سی موٹی موٹی کتابیں انہوں نے جمع کہاں سے کر لیں، ایک بار یہ سوال ہمارے لبوں پر آ ہی گیا تو انہوں نے کہا تھا :

"اس عمر کی تیاری میں نے بہت پہلے سے شروع کر دی تھی۔ جب آدمی ریٹائر ہو جاتا ہے اور گھر کا سودا سلف لانے کے سوا اسے کوئی اور کام نہیں رہ جاتا تو پھر اس کے لیے بہترین مشغلہ یہ ہے کہ وہ اللہ اللہ کیا کرے، کتابیں پڑھا کرے۔"

جب ہم نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا اور وہ اخبار سے سر اٹھا کر ہم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ ہاں بھئی کیا بات ہے، تو میں نے اپنی سی کوشش کی یعنی کھنکارا۔

عین اسی وقت امّی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے جو ہمیں اس انداز میں کھڑے دیکھا تو حیران ہو کر بولیں:

"ہائیں لڑکو، کیا تم نماز پڑھ رہے ہو، لیکن یہ نماز کا کون سا وقت ہے اور پھر قبلہ بھی تو اس طرف نہیں ہے۔ ہاں اس طرف تمہارے ابّا جان ضرور بیٹھے ہیں اور بچّے اپنے والدین کو ادب کی وجہ سے قبلہ و کعبہ ہی سمجھتے ہیں — پھر بھی اس طرح کھڑے ہونے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔"

"جی ہاں امّی جان، وجہ ہے۔" میں نے زبان کھولی۔

"کیا تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟" انہوں نے پر شفقت لہجے میں انٹرویو شروع کر دیا۔

"جی نہیں، اللہ کی مہربانی سے ہم نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔"

"تو کیا مجھ سے یا تمہارے ابّا جان سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

انہوں نے ہمیں گھورا۔

"ارے توبہ، یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، بھلا آپ سے اور ان سے غلطی ہو گی۔" اشفاق نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ایسا کرنے کے لیے اسے ہاتھ پیٹ پر سے ہٹانے پڑے، لیکن کانوں کو ہاتھ لگاتے ہی اس نے پھر باندھ لیے۔

"تو پھر کیا بات ہے؟ تم کسی وجہ سے پریشان ہو، میرا مطلب ہے، کیا تم نے کوئی پریشانی مول لے لی ہے؟"

"جی، جی نہیں — ابھی تک تو نہیں لی۔" اخلاق نے گڑبڑا کر کہا۔

"کیا مطلب، کیا مول لینے کا ارادہ ہے۔" امّی جان نے گھبرا کر کہا۔

"جی نہیں — ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

"تو پھر بتاتے کیوں نہیں، آخر بات کیا ہے؟"

"جی، ہم ابّا جان سے کچھ عرض کرنے آئے ہیں، لیکن انہوں نے تو ابھی تک ہم سے پوچھا ہی نہیں کہ کیا بات ہے۔ کیوں اس طرح کھڑے ہو۔"

"یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی۔" اچانک ابّا جان کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو کیا اب تک آپ نے اس کمرے میں ہونے والی کوئی بات

سنی ہی نہیں ؟" امّی جان نے قدرے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں، تم لوگ جانتے ہی ہو، جب میں اخبار میں گم ہوتا ہوں تو مجھے آس پاس کی کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس وقت بھی میں نے ایک خبر ختم کی تو مجھے پتا چلا کہ تم لوگ کمرے میں موجود ہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہماری طرف دیکھا اور پھر چونک کر بولے۔

"اوہو، تم اس طرح کیوں کھڑے ہو بھئی ؟"

"جج، جی، وہ، وہ، ٹٹ ٹیلے....." میں ہکلا کر رہ گیا۔

"جی وہ ٹیلے۔ اس کا کیا مطلب ہوا، کیا یہ کسی دوسری زبان کا لفظ ہے۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں، اپنی زبان کا ہی لفظ ہے۔ بھائی جان دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ٹیلی....." آفتاب بھی جملہ مکمل نہ کر سکا۔ ٹیلی کا لفظ منہ سے نکالتے ہی اس کی بھی سٹی گم ہوتی نظر آئی۔

"ٹیلی، تو کیا تم ٹیلی وژن کا لفظ منہ سے نکالنا چاہتے ہو۔ اوہو، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ گھر میں ایک ٹیلی وژن ہونا چاہیے۔ دیکھو بھئی، یہ تقریباً ناممکن ہے۔ ہم ٹیلی وژن خریدنے کی طاقت کہاں رکھتے ہیں اور اگر خرید بھی لیں تو بجلی کا خرچ اور اس کی سالانہ فیس کہاں سے ادا کریں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا، تم لوگ جا سکتے ہو۔" انہوں نے گویا فیصلہ سنایا۔

"آپ۔ آپ غلط سمجھے ابّا جان۔" اخلاق نے ہمت کر کے کہا۔

"کالے خان نے کیا کہا۔ میں غلط سمجھا ہوں۔" ابّا جان نے اسے گھورا۔

"جج، جی، نہیں۔ غلط تو خیر آپ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم ٹیلی..... فون۔" نہ جانے اس میں کہاں سے ہمت آگئی کہ ٹیلی فون کا لفظ مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اس سے آگے وہ بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

"اوہو، تم ٹیلی فون کرنا چاہتے ہو۔ بس اتنی سی بات کے لیے اتنی لمبی چوڑی گھبراہٹ، لاحول ولا قوہ۔ جاؤ کر لو فون، لیکن دیکھو ایک کال سے زیادہ نہ کرنا۔"

"آپ ایک بار پھر....." اخلاق کہتے کہتے رک گیا۔ فوراً ہی بات بدل کر بولا "بات صرف اتنی سی ہے ابّا جان کہ ہم ٹیلی فون کرنا نہیں چاہتے۔"

"تو پھر کیوں آئے ہو، جلدی بتاؤ نا۔ ابھی مجھے اخبار ختم بھی کرنا ہے۔"

"ٹھہریے ابّا جان، میں بتاتا ہوں۔ یہ تو یوں ہی بوکھلاتے رہیں گے۔" اشفاق احمد یعنی ساقی نے پہلی مرتبہ منہ کھولا۔ اس ساری گفت گو کے دوران وہ بالکل خاموش رہا تھا۔ بولتا بھی کیسے، اسے کسی نے کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا۔

"چلو تم ہی بتا دو۔"

"بات یہ ہے ابّا جان کہ ہم نے اپنی زندگی کا پہلا کیس اللہ کی مہربانی سے حل کر لیا ہے۔ اس میں ہم نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ آئی جی، جج صاحب اور وکیل صاحب ہماری کارکردگی سے بہت مطمئن ہیں۔ آئی جی صاحب نے ایک خصوصی اجازت دی ہے، جس کے تحت ہم قانون سے الجھے بغیر اپنا کام کرتے رہیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ اپنا کام کرنے کے ساتھ ساتھ ملک اور قوم کی خدمت بھی کرتے رہیں؛ چنانچہ اب ہم اپنا باقاعدہ دفتر بنانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔" اشفاق احمد روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔ ہمیں اس کی روانی پر حیرت ہو رہی تھی، اور افسوس بھی کہ اس روانی کو ہم کام میں کیوں نہ لا سکے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ابّا جان بول اٹھے:

"یہ بھی تو بتاؤ کہ کیوں حاضر ہوئے ہیں۔"

"جی، میں نے بتایا نا کہ ہم اپنے دفتر کو ایک باقاعدہ دفتر کی شکل دینا چاہتے ہیں۔"

"تو دے دو، میں کیا کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"جی اس کے لیے ہمیں فون....."

"اوہ، اب سمجھا، تم ٹیلی فون اپنے دفتر میں رکھنا چاہتے ہو۔" انہوں نے تیز آواز میں کہا۔

"جج — جی ہاں —" میں نے فوراً کہا۔

ابّا جان چند لمحے تک کے لیے خاموش رہے، آخر بولے:

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں، لے لو ٹیلی فون، لیکن اس کا بے جا استعمال نہ کرنا۔"

ہماری حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، ہمارے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر آسانی سے حل ہو جائے گا، ورنہ ہم یوں نہ ہکلاتے اور نہ بتانے میں اتنی دیر لگاتے۔

ٹیلی فون اٹھا کر ہم دوڑے اپنے دفتر کی طرف۔ اسی وقت اپنے الیکٹریشن دوست مقبول کو بلا کر لائے اور ٹیلی فون کا کنکشن وہاں لگوا لیا۔

اور پھر دوسرے مسئلے کی طرف متوجہ ہوئے۔

○

دوسرا مسئلہ تھا، بورڈ کا مسئلہ۔ ہمارا بورڈ جیسا کہ آپ ہمارے پہلے کارنامے میں پڑھ چکے ہوں گے، حد درجے بھدا، کٹا پھٹا اور بے ڈھنگا تھا۔ اشفاق کے ہاتھ سے لکھا ہوا اور بھی بھونڈا لگتا تھا؛ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ ایک نیا بورڈ بنوایا جائے۔ کسی اچھے سے پینٹر سے لکھوایا جائے اور پھر اسے باقاعدہ دفتر کے دروازے پر لگوایا جائے۔ اب ہمیں

کسی انسپکٹر جلالی تور کا ڈر بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اگرچہ ہم سے بے تحاشہ خار کھائے ہوئے تھے۔ ادارہ اب غریب نہیں رہا تھا۔ اس کا بنک بیلنس اب ایک ہزار روپے تو تھا ہی۔ ہم اس میں سے ایک شاندار سا بورڈ بنوا سکتے تھے اور ہم نے یہی کیا۔ پھر میز اور کرسیوں کا بھی آرڈر دیا گیا۔

چند دن بعد جب دفتر کی صورت بالکل بدل گئی اور ہم اس میں اکڑ کر بیٹھ گئے تو آفتاب یعنی ادارے کے اکاؤنٹنٹ نے بتایا:

"ادارے کا بنک بیلنس اب صرف بتیس روپے پچانوے پیسے رہ گیا ہے۔"

"اوہ۔" ہمارے منہ ایک ساتھ کھلے، پھر میں نے کہا:

"خیر، کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ایک کیس بھی بھیج دیا تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔" اشفاق بولا۔

"سوال تو یہی ہے، کیس کب آئے گا؟" اخلاق بولا۔

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کیس کب آئے گا۔ جب خدا کو منظور ہوگا، آجائے گا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

یہ سب کچھ تو تھا، لیکن دفتر اب کسی صورت دفتر ضرور نظر آنے لگا تھا۔ میری میز اب بالکل الگ تھی۔ اشفاق اور اخلاق کو ایک چھوٹی سی علیحدہ میز دے دی گئی تھی۔ آفتاب کو تیسرے کونے میں تیسری میز دی گئی تھی۔ اس کی میز پر دو تین رجسٹر رکھ دیے گئے

تھے۔ ان میں سے صرف ایک میں آفتاب حساب کتاب لکھتا تھا۔ یہ رجسٹر ابا جان کے تھے۔ لیکن چونکہ ان میں کچھ صفحات سادہ بچ گئے تھے۔ اس لیے آفتاب انہی کو کام میں لا رہا تھا۔ پہلا دن ہم نے انتظام کرتے گزار دیا، لیکن کسی نے بھی دفتر میں جھانک کر نہ دیکھا۔ دوسرا دن بھی مایوسی کے عالم میں گزر گیا۔ تیسرے دن مجھے ایک ترکیب سوجھی؛ چنانچہ میں نے تیزی سے کہا:

"میں دو ایک فون کرنے لگا ہوں، میرا خیال ہے، ادارہ اس خرچ کو برداشت کر جائے گا۔"

"لیکن فون کرنے کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی؟" اشفاق نے اعتراض کرنے والے انداز میں کہا۔ ساتھ ہی منہ بھی بنایا جیسے کوئی کڑوی چیز بھولے سے منہ میں ڈال بیٹھا ہو۔

"کیس حاصل کرنے کے لیے ہمیں خود بھی ہاتھ پیر ہلانے چاہییں۔ آخر یوں ہم کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔" میں نے بھی جھنجلا کر کہا۔

"تو اب آپ فون کے ذریعے کیس حاصل کریں گے، عجیب بات ہے۔" اخلاق نے حیران ہو کر کہا۔

"اس میں عجیب بات کیا ہے، بس تم دیکھتے جاؤ۔" میں نے کہا اور ہاتھ میز پر رکھے ریسیور کی طرف بڑھا دیا۔

"بہت اچھا، ہم دیکھتے جائیں گے، آپ فون کرتے جائیں۔"

آفتاب بولا۔

میں نے آئی جی صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد ان سے سلسلہ مل گیا — وہ بولے :

"ہیلو کون صاحب بول رہے ہیں ؟"

"جی میں، شوکی اینڈ کو کا نمائندہ" میں نے جلدی سے کہا۔

"اوہ، میں سمجھا۔ سناؤ شوکی — کیا حال ہے ؟"

"جی بس، جی رہے ہیں — میں نے دراصل یہ عرض کرنے کے لیے فون کیا تھا کہ ہم نے باقاعدہ دفتر قائم کر لیا ہے۔"

"تم نے اچھا کیا شوکی، میں خیال رکھوں گا۔ بس تم صرف ایسے کام کرنا کہ قانون سے ٹکراؤ نہ ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس بات کا خاص خیال رکھیں گے۔"

"اور کوئی بات شوکی ؟"

"جی بس شکریہ" میں نے کہا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

میں نے مایوسانہ انداز میں ان تینوں کی طرف دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ نے منہ کی کھائی ہے۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا" میں نے کہا اور ایک اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"بھائی جان، آخر آپ نے کسے فون کیا تھا؟"

"آئی جی انوار عالم صاحب کو — آخر انہیں بھی تو دفتر کے بارے

میں بتانا چاہیے تھا، کیا میں نے کچھ بُرا کیا — میں نے آنکھیں نکالیں۔

"نہیں، میرے خیال میں آپ نے اتنا بُرا نہیں کیا۔" آفتاب نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"تمہارا مطلب ہے، تھوڑا بہت بُرا ضرور کیا ہے۔" میں نے اسے گھورا۔

"اور اب آپ کسے فون کر رہے ہیں۔"

"جج صاحب کو، وہ بھی آخر ہمارے مہربان ہیں۔"

"چلیے خیر، کر لیجیے انہیں بھی —" اشفاق نے نیم رضامندی کا اظہار کیا۔

جج صاحب کے گھر کے نمبر مجھے معلوم نہیں تھے؛ تاہم عدالت میں ابھی ان کا ریڈر بیٹھا تھا۔ اس سے گھر کے نمبر معلوم کیے اور پھر انہیں فون کیا — فوراً ہی ان کی بھاری بھرکم آواز میرے کانوں سے ٹکرائی :

"جج کریم الدین بول رہا ہوں —"

"السلام علیکم جناب، میں شوکی اینڈ کو سے شوکی عرض کر رہا ہوں — سنائیے، کیسے مزاج ہیں —"

"اوہو، یہ تم ہو بھئی — تم لوگ تو مجھے اکثر یاد آتے ہو۔"

"جی ذرہ نوازی ہے آپ کی — میں نے فون اس لیے کیا تھا کہ ہم نے اپنا باقاعدہ دفتر بنا لیا ہے۔"

"بھئی واہ، یہ تو تم نے اچھا کیا۔ کوئی پریشانی آپڑے تو مجھے فون کرنا نہ بھولنا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

اور انہوں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ میرا منہ لٹک گیا۔ لٹکا ہوا منہ دیکھ کر آفتاب نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا:

"کیا آپ کا خیال یہ تھا کہ انوار عالم صاحب اور جج کریم الدین صاحب ہمیں کیس دے دیں گے حل کرنے کے لیے۔"

"نہیں، میرا یہ خیال نہیں تھا۔" میں نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا۔

"تو پھر آپ کا خیال کیا تھا۔ آپ نے ان حضرات کو فون کیوں کیا۔ کرنا ہی تھا تو وکیل اکبر راٹھور صاحب کو کیا ہوتا، ہمارے پاس کسی ضرورت مند کو بھیج سکتے ہیں تو وکیل صاحب۔ آئی جی صاحب اور جج صاحب جیسے آدمیوں کو بھلا ہم جیسوں کی کیا ضرورت ہے۔" آفتاب کی آواز میں تلملاہٹ تھی۔

میں نے محسوس کیا، آفتاب بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آخر میں نے شکست خوردہ آواز میں کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو مکھن، مجھے وکیل صاحب کو فون کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے بھی تو ہماری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ٹھہرو، میں انہیں بھی فون کرتا ہوں۔ ان کا دفتر پہنچنے کا وقت ہو چکا ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے وکیل صاحب کے نمبر گھمانے شروع کیے ہی تھے کہ ایک شخص دفتر کے دروازے پر آکر رکا۔ میں نے فوراً ریسیور رکھ دیا اور بولا:

"تشریف لائیے جناب۔"

وہ عجیب سے انداز میں اندر داخل ہوا، جیسے اندر آنے کو دل نہ چاہ رہا ہو۔ لیکن مجبوراً آنا پڑ رہا ہو۔ اس کا چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ چہرے پر کوئی داغ دھبا، تل یا نشان وغیرہ بھی نہیں تھا۔

"یہ شوکی اینڈ کو کا دفتر ہے نا؟"

"کیا آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں؟" اشفاق بول پڑا۔ میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ کتنے انتظار کے بعد تو کسی شخص نے ہمارے دفتر کا رخ کیا تھا اور ہم اسے ناراض کر دیتے۔

"ہاں، بدقسمتی سے میں بالکل ان پڑھ ہوں۔ اسی لیے آپ کے دروازے پر لگا ہوا بورڈ نہیں پڑھ سکتا؛ تاہم مجھے اخبار سننے کا بہت شوق ہے۔ میں اپنے بیٹے سے روزانہ اخبار ضرور سنتا ہوں۔ آپ نے ابھی چند دن پہلے جو کیس حل کیا ہے۔ اس کی پوری روداد بھی میں نے سنی تھی۔ اس میں آپ لوگوں کا پتا بھی شائع ہوا تھا۔ میں نے وہ پتا ذہن نشین کر لیا تھا۔ اب پوچھتے پوچھتے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"آپ بالکل ٹھیک جگہ پر پہنچے ہیں۔"

"چند ہی دن میں آپ نے کتنی شہرت حاصل کر لی ہے — میں آپ کا کارنامہ سُن کر بہت خوش ہوا تھا — میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔"

"بہت بہت شکریہ — کیا آپ صرف مبارک باد دینے کے لیے تشریف لائے ہیں؟" اخلاق نے مری مری آواز میں پوچھا۔

"نہیں خیر، مجھے اپنا بھی ایک کام ہے، بشرطیکہ آپ کر سکیں۔"

"ہم ہر خدمت بجا لانے کے لیے تیار ہیں اور آپ کا پوری طرح اطمینان کرا دینے کی بھی ذمہ داری لیتے ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"مجھے بھی یہی امید تھی — اب پہلے میں اپنا تعارف کراؤں گا۔ میرا نام امیر بیگ ہے۔ میں ایک کروڑپتی آدمی ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔" آفتاب چونک کر سیدھا ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھا تھا۔

"میری شہر میں لوہے کی بہت بڑی مل ہے — عمارتی سریا وغیرہ پورے شہر کو زیادہ تر میں ہی سپلائی کرتا ہوں — میرا اس دنیا میں ایک بیٹے کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنی ساری جائیداد اپنے بیٹے

کے نام کر دی ہے۔ وصیت نامہ میرے وکیل صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ میرے بیٹے کا نام توقیر بیگ ہے۔ اس کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کے قریب ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور میں اس سے — آپ نے یہاں تک ساری بات اچھی طرح سمجھ لی۔" یہ کہہ کر وہ رک گیا اور میری طرف بغور دیکھنے لگا۔

"نہ صرف میں نے سُن لی ہے بلکہ میرے اسسٹنٹوں اکاؤنٹنٹ نے بھی سُن لی۔" میں بولا

"شکریہ، اب میں آگے بڑھتا ہوں۔ کوئی شخص مجھے ہلاک کر دینے پر تلا ہوا ہے — میں نہیں جانتا، وہ کون ہے — اب فرض کیا وہ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کیا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر رک گیا۔

"خدا نخواستہ، بھلا ایسا کیوں ہو۔" اشفاق بول پڑا۔

"بھئی میں فرض کر رہا ہوں۔"

"لیکن جناب، ہم تو ایسی بُری بات فرض ہی نہیں کریں گے۔" اشفاق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہو بھئی، فرض تو کرنا ہی پڑے گا، ورنہ بات آگے کیسے بڑھے گی۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"چلیے، فرض کیے لیتے ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا، کیوں کہ اشفاق تو پھر انکاری انداز میں کچھ کہنے والا تھا۔

"بڑی مہربانی آپ کی کہ آپ نے فرض کر لیا، ورنہ میں تو مایوس ہو چلا تھا۔ آپ اگر فرض نہ کرتے تو مجھے کسی اور دروازے پر جانا پڑتا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"کسی اور دروازے پر جائیں آپ کے دشمن۔" اخلاق بولا۔

مجھے ہنسی آگئی؛ تاہم میں نے ہنسی چھپالی اور جلدی سے بولا:

"ہاں، تو آپ کہہ رہے تھے کہ فرض کیا کوئی شخص آپ کو میرے منہ میں خاک، ہلاک کر دے تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟"

"جی ہاں، میں یہی کہہ رہا تھا۔"

"تو جناب، اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں آپ مر جائیں گے۔" آفتاب نے کہا۔

"وہ تو صاف ظاہر ہے۔ میرا مطلب ہے، میری جائیداد کا کیا ہوگا۔"

"وہ تمام کی تمام آپ کے بیٹے کو مل جائے گی۔ یہ کونسی ایسی بات ہے؟"

"ٹھیک ہے، لیکن اگر کوئی شخص، میرا مطلب ہے، کوئی چالاک شخص میرے بیٹے کو ہی میرا قاتل ثابت کر دے تو کیا ہوگا؟" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"ارے باپ رے!" آفتاب بوکھلا اٹھا۔

"ایسی صورت میں آپ کے بیٹے کو گرفتار کر لیا جائے گا۔" میں

نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"بس یہی قاتل کا پروگرام ہے۔"

"کیا مطلب، بھلا ایسا کرنے سے اسے کیا حاصل؟"

"وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ والد صاحب کے مرنے کے بعد وہ اپنے حصے کی جائیداد لے کر مجھ سے الگ ہو گیا تھا، میں نے تو اپنے حصے سے کاروبار شروع کر دیا اور اس قدر ترقی کی کہ اب کروڑ پتیوں میں میرا شمار ہوتا ہے، لیکن وہ غلط راستے پر چل نکلا اور چل کیا نکلا، والد صاحب کے زمانے سے ہی غلط راستے پر چلنے لگا تھا؛ چنانچہ اس نے اپنے حصے کی تمام جائیداد اور نقدی جوئے اور ریس میں اڑا دی اور اب وہ بھوکا ننگا ہو چکا ہے۔ غربت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اب ذرا غور کریں۔ اگر وہ مجھے قتل کر دے اور کسی طرح پھنسا دے میرے بیٹے کو تو وہ ساری جائیداد کا مالک بن جائے گا یا نہیں؟" یہاں تک کہہ کر امیر بینا خاموش ہو گیا۔

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے، لیکن جناب یقین کیجیے، عدالت کسی کو یوں ہی سزا نہیں سنا دیتی۔ اصل قاتل بچ نہیں سکتا۔"

"آپ نے جو کارنامہ انجام دیا، اس میں بھی تو عدالت ایک بے گناہ کو گنہ گار سمجھ رہی تھی۔ اگر آپ لوگ درمیان میں نہ آجاتے تو کیا ہوتا؟"

"خیر، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ اب آپ فرمائیں، آپ کیا چاہتے

ہیں۔" میں نے کہا۔

"اور آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو یہ خیال کیوں ہے کہ کوئی آپ کو ہلاک کر دینا چاہتا ہے؟"

"میرے کھانے میں ایک بار زہر ملا ہوا پایا گیا۔ دوسری مرتبہ میری کار کے ٹائروں کے نٹ ڈھیلے پائے گئے۔ تیسری مرتبہ میرے بستر پر ایک سانپ پایا گیا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی شخص مجھے ہلاک کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"کیا آپ کے بھائی کا آپ کے گھر آنا جانا ہے؟" اشفاق نے کام کا سوال کیا۔

"ہاں، وہ آتا جاتا رہتا ہے، میں نے اسے کبھی منع نہیں کیا۔ آخر وہ میرا چھوٹا بھائی ہے، لیکن ان واقعات نے مجھے چونکا دیا ہے، اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ کہیں یہ حرکات وہی تو نہیں کر رہا۔"

"گھر کا کوئی ملازم بھی تو ایسا کر سکتا ہے۔" اخلاق نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں گھر کا کوئی ملازم ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے وصیت میں ملازموں کے لیے کچھ بھی نہیں لکھوایا۔ اور ان سب کو بتا بھی دیا ہے۔ میں انہیں بڑی بڑی تنخواہیں دیتا ہوں۔ وہ سب خوش ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ جب تک میں

زندہ ہوں، بس اسی وقت تک انہیں بڑی بڑی تنخواہیں مل رہی ہیں، میرا بیٹا ذرا کنجوس واقع ہوا ہے۔ اکثر مجھ سے ان کی تنخواہوں کے سلسلے میں جھگڑتا رہتا ہے، لہٰذا ان حالات میں کسی ملازم کو ایسا کرنے کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ وہ کسی کے بہکائے میں آ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا مطلب ہے، میرے بیٹے یا میرے بھائی کے بہکائے میں آ کر۔"

"خیر، یہ تو بعد کی بات ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں، تو کیا گھر میں آپ کے بیٹے اور بھائی کے علاوہ کوئی عزیز نہیں رہتا؟"

"نہیں، یہی تو عجیب بات ہے۔ ملازم بھی صرف دو ہیں، کیونکہ دو آدمیوں کے لیے دو ملازم بہت کافی ہوتے ہیں۔ جب آپ ان دو ملازموں کو دیکھیں گے تو خود ہی کہہ اٹھیں گے کہ وہ کوئی ایسا ویسا کام کر ہی نہیں سکتے۔"

"تب پھر وہ کون ہے جو ایسا ہے جو وہ کام کرنا چاہتا ہے؟"

"میں نے بتایا تو ہے، میرا بھائی ہی ایسا کر سکتا ہے۔"

"تو پھر آپ اسے اپنے گھر میں نہ گھسنے دیں۔ پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں۔ پولیس خود ہی آپ کی حفاظت کا انتظام کر دے گی۔"

"پولیس کے پاس جانا ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا۔"

"تو پھر بتائیے، آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"صرف ایک چھوٹا سا کام — آپ اس کام کا مجھے معاوضہ بتا دیں، میں ادا کیے دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کا کام صرف اتنا ہو گا کہ پوری ایمانداری سے اس کام کو سرانجام دیں۔"

"ہم ہر خدمت کے لیے تیار ہیں — ویسے اگر آپ واقعی اپنی زندگی کو خطرہ محسوس کر رہے ہیں تو پھر آپ پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں۔"

"اچھا، میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گا، لیکن جو کام میں آپ لوگوں سے لینا چاہتا ہوں، وہ میں آپ سے ہی لوں گا۔"

"بڑی خوشی سے، آپ کام بتائیے۔"

"مرتو ایک دن سبھی کو جانا ہے، لہٰذا مجھے اس کی پروا نہیں کہ میری موت کب آئے گی یا یہ کہ میری موت کا خواہش مند کہیں کامیاب ہی نہ ہو جائے — ہوتا ہے تو ہو جائے، لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے قاتل کو میری جائیداد میں سے ایک پیسہ بھی نہ ملے۔"

"چاہے قاتل کوئی بھی ہو۔" میرے منہ سے نکلا، فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نے ایک احمقانہ بات پوچھی تھی، کیونکہ قاتل کو تو ویسے بھی کچھ نہیں مل سکتا۔

"ہاں، قاتل چاہے کوئی بھی کیوں نہ ہو — میرا مطلب ہے، چاہے وہ میرا بیٹا ہو، چاہے میرا بھائی — اگر وہ عدالت میں خود کو

بے گناہ ثابت بھی کر دے اور عدالت اسے بری بھی کر دے تو بھی وہ میری جائیداد حاصل نہ کر سکے۔"

"لل، لیکن — لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ کیونکہ اس نے ایک بہت ہی عجیب بات کہی تھی۔

ہمارے منہ حیرت سے کھل گئے۔

کتاب اور گڈی

چند لمحے تک ہم حیرت کے عالم میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے — اب آفتاب بھی اپنی کرسی پر بیٹھا نہیں رہ سکا تھا — اٹھ کر میرے دائیں طرف آ کھڑا ہوا تھا؛ چنانچہ اس کی نظریں بھی امیر بینا کے چہرے پر جمی تھیں — کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی تھی — آخر اس نے کہا :

"میں جانتا تھا، آپ یہ بات ضرور کہیں گے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے —"

"بات ہے بھی ٹھیک — دیکھیے نا، فرض کیا، قاتل آپ کا بیٹا ہے، لیکن عدالت اسے بے گناہ قرار دے دیتی ہے، تو بھلا ہم یا کوئی اور اسے جائیداد حاصل کرنے سے کس طرح روک سکتا ہے؟"

"اس کی ترکیب میں نے سوچ لی ہے —" امیر بینا بھرپور انداز میں مسکرایا اور ہم یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گئے کہ اس نے کیا ترکیب سوچی ہے —"

"تو بتائیے، آپ نے کیا ترکیب سوچی ہے —"

"یہ میں آپ کو ابھی نہیں بتاؤں گا۔ اب میں اصل کام کی طرف آتا ہوں —" یہ کہہ کر اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں کالے رنگ کی ایک کتاب تھی — کتاب اس نے میز پر رکھ کر میری طرف سرکا دی اور بولا :

"یہ کالی کتاب میری زندگی کی کہانی ہے — میں نے اس میں اپنی زندگی کا ایک ایک واقعہ لکھا ہے — یہ میرے لیے ایک بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ سرمایہ میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں اور آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری موت تک آپ اسے حفاظت سے اپنے پاس رکھیں، اسے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ جانے دیں۔ آپ خود بھی اسے کھول کر نہ پڑھیں، ہاں میری موت کے بعد آپ اسے کھول کر پڑھ سکتے ہیں۔ اس وقت آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کو کرنا کیا ہے؟"

"اور وہ ترکیب جو آپ نے سوچی ہے؟" آفتاب بے چین ہو کر بولا۔

"وہ ترکیب بھی آپ کو یہ کتاب پڑھنے کے بعد معلوم ہو جائے گی — اس پر عمل کر کے آپ میری جائیداد میرے قاتل تک پہنچنے سے بچا لیں گے —"

"خدا نہ کرے کہ آپ ہلاک ہوں؛ تاہم ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یہ

کام ضرور کریں گے۔"

"اور اب بات ہو جائے معاوضے کی۔ آپ معاوضہ اپنی زبان سے مانگیں گے یا میں خود ادا کر دوں۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو میں آپ کا معاوضہ لے کر آیا ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اسی کو لینے پر مجبور ہو جائیں۔ اگر یہ آپ کو کم معلوم ہو تو آپ اپنا مطالبہ بھی بتا سکتے ہیں۔"

اس کے الفاظ سے ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص ہمارے پہلے موکل کی طرح کنجوس آدمی نہیں ہے، بلکہ ایک معقول آدمی ہے — اچانک میں چونک اٹھا — میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — میری آنکھوں کی حیرت اشفاق، اخلاق اور آفتاب سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔

"خیر تو ہے، آپ بہت حیران نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں، بات حیرت کی ہے — مسٹر امیر بیتا، دفتر میں داخل ہوتے ہی آپ نے بتایا تھا کہ آپ ان پڑھ ہیں، پھر آپ نے یہ کتاب کیسے لکھ لی؟"

"وہ تو میں نے آپ کے بھائی کی بات کا جواب مذاق میں دیا تھا — خدا کے فضل و کرم سے میں کافی لکھا پڑھا ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

ایک بات اور — اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ اسے

ہلاک کیا جانے والا ہے تو وہ اتنا پُرسکون ہرگز ہرگز نظر نہیں آتا جتنا کہ آپ نظر آ رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خدا پر بھروسا رکھتا ہوں۔ زندگی اور موت کا مالک وہ ہے — اگر میری موت اسی طرح لکھی ہے تو میں کر ہی کیا سکتا ہوں — خوف زدہ تو میں ہوں، کیونکہ موت بہرحال بہت خوفناک اور ہولناک چیز ہے، لیکن کوئی شخص بھی موت کا مزا چکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"بہت خوب، خیر تو بات ہو رہی تھی معاوضے کی۔" میں نے گویا اسے یاد دلایا۔

"ہاں، یہ لیجیے۔"

یہ کہہ کر اس نے کوٹ کی دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا، باہر نکالا تو اس میں سرخ نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی تھی۔

"یہ دس ہزار ہیں۔ اگر کم ہیں تو اتنے ہی اور آپ کو دے دوں گا اور اس کے بدلے میں میں صرف یہ چاہوں گا کہ آپ اس کتاب کو پوری حفاظت سے رکھیں، کسی کے ہاتھ نہ لگنے دیں اور میری موت کی صورت میں اسے پڑھ لیں، اس سے پہلے ہرگز نہ پڑھیں۔ اگر آپ نے اس سے پہلے — اسے پڑھا تو آپ اپنے پیشے سے غداری کریں گے یہ بے ایمانی ہوگی اور قیامت کے روز آپ کو حساب دینا پڑے گا۔"

"خدا اس روز کے حساب سے بچائے۔" اشفاق نے لرز کر کہا۔

"آیئن" میرے ساتھ آفتاب اور اخلاق نے کہا۔

"ہاں، تو اسے پڑھ کر آپ اس میں درج ہدایات پر عمل کریں گے۔ بتایئے اس کام کے لیے دس ہزار روپے کافی ہیں یا کم ہیں"

"بہت زیادہ ہیں۔ اس میں سے پانچ ہزار نکال لیں" میں نے اپنے خیال کے مطابق اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس پر آفتاب نے مجھے بُری طرح گھورا۔ اشفاق کی آنکھوں میں تعریف کی جھلک تھی اور اخلاق نے نہ بُرا مانا نہ اچھا۔

"نہیں خیر، میرے خیال میں تو یہ معاوضہ نہایت مناسب ہے۔ واپس تو میں اس میں سے نہیں لوں گا"

"تب پھر یہ نوٹوں کی گڈی اور یہ کالی کتاب آپ ہی کو مبارک آپ کسی اور کے ذمے یہ کام لگائیں" میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا، اور بہت زور سے چونکا۔ ہم نے اتنے زور سے چونکتے ہوئے بہت کم لوگوں کو دیکھا تھا۔ ہمارا جی چاہا، وہ ایک بار پھر اتنے ہی زور سے چونکے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"دیکھیے جناب، ہمارے والد صاحب نے تمام عمر صرف اور صرف حلال کی روزی کھائی اور ہمیں کھلائی ہے۔ ہمیں بھی انہوں نے یہی نصیحت کر رکھی ہے کہ حلال کی روزی کھانا۔ ہر حال میں — اس کام کا معاوضہ اگر آپ ہم سے پوچھتے تو ہم آپ کو پانچ ہزار روپے ہی

بتاتے؛ گویا آپ نے ہمیں ہمارے مطالبے سے پانچ ہزار زائد دیے ہیں، جو ہم کسی صورت قبول نہیں کریں گے — اب یہ آپ کی مرضی ہے، اسے قبول کریں یا نہ" میں جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔ امیر بینا کے چہرے پر بلا کی حیرت نظر آئی۔ آخر اس نے کہا:

"آپ — آپ عجیب آدمی ہیں"

"شاید، ہوں گے — فرمایئے، آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

"اچھا، پھر بات ہے۔ میں پانچ ہزار واپس لے لیتا ہوں"

یہ کہہ کر اس نے گڈی میں سے پانچ ہزار روپے نکال لیے اور بولا:

"تو یہ طے رہا — اب آپ لوگ اس کتاب کے محافظ ہیں اور میری موت سے پہلے کسی صورت اسے پڑھیں گے نہیں۔ کسی اور کے حوالے بھی نہیں کریں گے — کتاب میں لکھی ہوئی ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گے — ٹھیک ہے"

"جی ہاں، بالکل ٹھیک ہے"

"تو میں چلتا ہوں، خدا حافظ"

"ایک منٹ جناب، تشریف رکھیے۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"تو، تو پھر میں کس طرح جا سکتا ہوں؟"

"چائے پی کر جا سکتے ہیں۔ آفتاب بھئی، یہ لو چٹ — ذرا چائے

تو لے آؤ اور جلدی ۔"

"بہت بہتر ۔" آفتاب نے کہا اور چٹ میرے ہاتھ سے لے لی۔ اس پر لکھا جملہ پڑھا اور دفتر سے نکل گیا ۔

جلد ہی چائے آگئی، لیکن آفتاب واپس نہ آیا ۔

"وہ آپ کے ساتھی نہیں آئے ۔"

"وہ ذرا کھلی ہوا میں چائے پینے کا عادی ہے ۔ ٹی سٹال پر ہی پینے بیٹھ گیا ہوگا ۔ آپ چائے لیجیے ۔" چائے پی کر امیر بینا رخصت ہوگیا ۔ رخصت ہونے سے پہلے اس نے اپنا فون نمبر نوٹ کرایا تھا ۔

"آخر اس گاہک کا تعاقب کرانے کی کیا ضرورت تھی ۔ کیا آپ کو اس پر بھی شک ہے ؟" اشفاق نے اس کے جاتے ہی کہا ۔

"ایسے تمام معاملات میں تمام آدمیوں پر شک کیا جاتا ہے ۔ ابا جان اپنی ملازمت کے دوران اسی اصول پر عمل کرتے رہے ہیں ۔" میں نے جھلا کر کہا ۔

"اب اس کتاب کا کیا کرنا ہے ؟"

"آؤ پہلے اس کا بندوبست کریں ۔ اپنے دفتر میں تو رکھ نہیں سکتے ۔ کیونکہ یہ غیر محفوظ ہے ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا ۔

"اخلاق، تم دفتر میں ہی ٹھہرو، کہیں کوئی اور کیس نہ آجائے ۔"

"جی ہاں، باہر تو کیسوں کی بارش ہو رہی ہے نا ۔" اخلاق نے تلملا کر کہا ۔

"لیکن میں اور اشفاق اس کی تلملاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ کالی کتاب اور نوٹوں کی گڈی میں نے اٹھالیں ۔

"بھائی جان، آخر امیر بینا نے اس میں کیا لکھا ہے ۔ کیوں نہ ہم اسی وقت پڑھ کر اسے دیکھ لیں ۔"

"ہرگز نہیں، یہ اپنے پیشے سے غداری اور امیر بینا سے بے ایمانی ہوگی ۔" میں نے انکار میں سر ہلایا ۔

ہم سیدھے امی جان کے پاس پہنچے ۔ وہ اپنے کمرے میں سلائی کڑھائی میں مصروف تھیں ۔ قدموں کی آہٹ سن کر ہماری طرف دیکھا اور پھر چونک کر بولیں :

"ارے، یہ کیا ہے ؟"

"جی، یہ کالی کتاب ہے اور یہ نوٹوں کی گڈی ہے ۔"

"کیا مطلب، یہ اتنے سارے نوٹ تم نے کہاں سے اڑائے ۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا ۔

"اتنے تو ہم نے واپس کر دیے ہیں امی جان، ورنہ اس وقت آپ کو دوگنا نظر آتے ۔" اشفاق نے کہا اور پھر ہم نے مختصر طور پر انہیں کیس کی تفصیل بتادی ۔

"اور تم نے پانچ ہزار واپس کر دیے ۔" وہ بولیں ۔

"جی ہاں، اس لیے کہ ہمارا ارادہ پانچ ہزار ہی مانگنے کا تھا ۔"

"تمہارے اور تمہارے ابا جان کے یہ اصول میری سمجھ سے باہر

ہیں، جو رقم وہ اپنی مرضی سے دے رہے تھے، میرے خیال میں کسی طرح بھی حرام روزی نہیں کہلا سکتی — خیر یہ بتاؤ، اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"آپ کی الماری کی چابی، تاکہ یہ دونوں چیزیں اس میں رکھ سکیں۔"

"کیا تم اس کتاب کو پڑھ کر دیکھ چکے ہو؟"

"جی نہیں، ہمارے مؤکل کی خواہش ہے کہ اسے ان کی موت سے پہلے ہرگز نہ پڑھا جائے۔"

"اور تم ان کی خواہش پوری کرو گے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی —

"جی ہاں، اس لیے کہ ہم نہایت ایماندار جاسوس واقع ہوئے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

امّی جان نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے چابی دے دی اور ہم نے دونوں چیزیں الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا اور چابی امّی جان کو دے کر پھر دفتر میں آئے — تھوڑی دیر بعد آفتاب ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا —

"یہ سراسر ناانصافی ہے۔" اس نے اندر آنے کے بعد کہا اور کرسی میں گر گیا —

"کیا ہوا؟ کس نے کی ہے تم سے بے انصافی — ہم اس کی

اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔" میں نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"آپ نے ہی کی ہے۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"کیا کہا، میں اور بے انصاف — ثابت کرو، ورنہ اپنے الفاظ واپس لو۔" میں غصے میں آ گیا۔

"مجھے اس ادارے کا اکاؤنٹنٹ مقرر کیا گیا ہے اور ان دونوں کو آپ کا اسسٹنٹ، لیکن تعاقب کرنے کے لیے بھی مجھے بھیجا جاتا ہے — اور چائے پینے کے لیے بھی — یہ کیا تک ہے۔"

"بھئی یہ اس لیے کہ یہ ابتدائی کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد والے تو سارے کام ہم خود انجام دیتے ہیں۔"

"پہلے کیس میں تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ خیر اس مرتبہ دیکھوں گا۔ ہاں تو میں ایر بینا کی کوٹھی دیکھ آیا ہوں۔ کوٹھی کیا ہے، پورا محل ہے — میں نے اتنا شاندار محل پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا —

"تو تم نے کم شاندار آج تک کتنے محل دیکھے ہیں؟" اشفاق جل کر بولا —

"ایک بھی نہیں۔" آفتاب مسکرایا —

"اچھا، اب ایر بینا کا پتا لکھواؤ۔ پتا تم دونوں بھی اپنے اپنے پاس لکھ لو۔ کیا خبر، کب کسے جانا پڑ جائے۔" میں نے پہلے آفتاب سے اور پھر ان دونوں سے کہا۔

"لکھیے، امیر بینا منزل، امیر بینا سٹریٹ، غازی روڈ۔" آفتاب نے کہا۔

"اوہو، گلی کا نام بھی اسی کے نام پر ہے۔"

"ہاں، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔"

"حیرت ہے، اتنے بڑے آدمی کو ہم جیسے گرے پڑے جاسوسوں سے ہی کام لینا تھا۔"

"اچھی قسم کے جاسوس یہاں ملتے کب ہیں۔ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو، تب بھی نہیں ملتے۔ اچھا، آج دفتر کا وقت ختم ہوتا ہے۔"

"اور وہ نوٹوں کی گڈی اور کالی کتاب کہاں گئیں۔ دونوں چیزیں اکاؤنٹنٹ کے پاس جمع کرائیے نا۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"وہ ہم نے امی جان کی الماری میں رکھ دی ہیں۔ یہاں رکھنا ٹھیک نہیں۔"

"کل سے ہمیں اخبار بھی باقاعدہ پڑھنا پڑے گا۔" آفتاب نے کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ کس لیے؟"

"اگر اخبار نہیں پڑھیں گے تو امیر بینا کے بارے میں کس طرح معلوم ہوگا۔"

"اوہ، تو وہ کیا واقعی ہلاک کیا جانے والا ہے؟"

"یہ اس کا خیال ہے، میرا نہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے، کیا ہونے

والا ہے۔"

دوسرے دن ہم دفتر میں بیٹھے اخبار کی ایک ایک خبر پڑھ رہے تھے کہ کوئی ہمارے دفتر میں داخل ہوا اور اس حد تک غیر محسوس طور پر داخل ہوا کہ اگر ہمارے کان اور دوسرے حواس انتہائی تیز نہ ہوتے تو ہرگز ہمیں خبر نہ ہوتی۔ اس کے اندر داخل ہونے کا احساس ہوتے ہی ہم نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر حیران رہ گئے۔

واردات

دروازے سے گزر کر اندر آنے والا امیر بینا ہی تھا۔ وہ ہمیں اس طرح گھور رہا تھا، جیسے ہم سے کوئی بہت بھاری غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

"خیر تو ہے جناب، آپ ہمیں اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ آئیے، تشریف رکھیے۔"

منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی گھورتی نظریں اب بھی ہمارا طواف کر رہی تھیں۔ ہم گھبرا گئے کہ نہ جانے کیا بات ہے۔"

"کک، کہیں، کہیں آپ کو قتل تو نہیں کر دیا گیا؟" آفتاب نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آفتاب، یہ کیا کہہ رہے ہو۔ دماغ تو نہیں چل گیا — یہ ہمارے سامنے زندہ سلامت بیٹھے ہیں۔"

"مم، میرا مطلب تھا، کہیں یہ امیر بینا صاحب کی روح نہ

ہوں۔" اس نے اب بھی کانپ کر کہا۔

"چپ رہو، اور مجھے ان سے بات کرنے دو۔" یہ کہہ کر میں اس کی طرف مڑا:

"ہاں جناب، کچھ بتائیے بھی تو — آخر بات کیا ہے۔ کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، یا آپ کتاب میں کچھ لکھنا بھول گئے ہیں یا پھر آپ نے جو کچھ اس میں لکھا، اس پر مطمئن نہیں ہیں۔ اس میں کچھ اور لکھنا چاہتے ہیں یا آپ کے دشمن کا ارادہ بدل گیا ہے اور آپ وہ کتاب واپس لینے آئے ہیں۔" میں کہتا چلا گیا۔

"ہاں، میں وہ کتاب واپس لینے آیا ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا — ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آواز بیٹھ گئی ہو۔

"لیکن کیوں، بات کیا ہے جناب؟" میرے لہجے میں بلا کی مایوسی در آئی۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میری جان کون لینا چاہتا تھا۔ اب وہ اپنے ارادے سے باز آ گیا ہے۔"

"اوہ، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے جناب۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ پھر اشتیاق سے بولا:

"جاؤ، جاؤ وہ کتاب اور نوٹوں کی گڈی نکال لاؤ۔"

"نوٹوں کی گڈی رہنے دیں، وہ آپ کا معاوضہ ہے۔" اس نے کہا —

"نہیں جناب، ابھی تک ہم نے آپ کے لیے کام ہی کیا کیا ہے۔ ہم یہ رقم کسی صورت بھی نہیں لے سکتے۔"

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی۔"

اشفاق اندر چلا گیا اور دونوں چیزیں لے آیا۔ میں نے وہ اس کے سامنے رکھ دیں۔

"بہت بہت شکریہ، میں نے آپ لوگوں کو بلا وجہ تکلیف دی۔ آپ کا وقت بھی ضائع کیا۔ امید ہے، مجھے معاف کر دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دفتر سے نکل گیا۔ ہم ایک دوسرے کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔ ہم مایوس بھی تھے اور خوش بھی۔ مایوس اس لیے تھے کہ کیس ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پانچ ہزار کی رقم بھی ہاتھ سے گئی تھی۔ خوشی اس لیے تھی کہ ایک شخص قتل ہونے سے بچ گیا تھا۔

"چلو جو ہوا، اچھا ہی ہوا۔" اخلاق نے صبر شکر کرنے والے انداز میں کہا۔

"امی جان پوچھ رہی تھیں کہ اتنی جلدی کتاب اور گڈی واپس کیوں نکالی جا رہی ہے۔ میں اس وقت انہیں جلدی کی وجہ سے کچھ نہیں بتا سکا تھا، لہٰذا پہلے میں انہیں ساری بات بتا آؤں۔" اشفاق نے اٹھ کر اندرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا، ہم سوچ میں گم بیٹھے رہے، یہاں تک کہ اشفاق واپس آ گیا۔

"امی جان بھی بہت افسوس کر رہی ہیں۔"

"بھئی اس میں افسوس کی کیا بات، اللہ اور کیس دے گا۔"

"ایک چائے اور ٹیکسی کا آنے جانے کا کرایہ پلے سے گیا۔" آفتاب نے منہ بنایا، پھر کچھ خیال آنے پر بولا:

"نہ جانے امیر بینا کی آواز کو آج کیا ہو گیا تھا۔"

"ہاں، آواز بیٹھی ہوئی سی تھی۔ شاید گھر میں کوئی جھگڑا ہوا ہو گا۔ اونچی آواز میں بولنا پڑا ہو گا۔" اخلاق نے کہا۔

"اور اندر آنے کے بعد وہ کافی دیر تک کچھ بولا بھی نہیں تھا۔ اس وقت تک خاموش رہا، جب تک بھائی جان نے خود کتاب کے بارے میں بات نہیں کی۔" آفتاب کے لہجے میں ہلکی سی الجھن تھی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میرے لہجے میں بھی الجھن در آئی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ امیر بینا کی بجائے اس کا بھائی ہم سے کتاب ہتھیا لے گیا ہو۔" آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا؟" میں، اشفاق اور اخلاق ایک ساتھ چلا اٹھے۔

"اس میں اتنا تیز بولنے کی کیا ضرورت ہے، میں نے تو ایک خیال پیش کیا ہے۔" آفتاب سہم گیا۔

میں چند لمحے تک اسے گھورتا رہا، پھر میرے ہاتھ مشینی انداز میں فون کی طرف بڑھ گئے۔ امیر بینا کے نمبر میں نے بہت جلدی میں ڈائل کیے ۔ جلد ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا اور ایک کھردری سی آواز سنائی دی۔

"ہیلو، کون صاحب ہیں؟"

"میں شوکی اینڈ کو کا نمائندہ بات کر رہا ہوں۔ امیر بینا صاحب سے بات کرا دیجیے۔"

"یہ ان کے سونے کا وقت ہے۔ وہ پانچ بجے جاگیں گے۔ اس وقت فون کیجیے گا۔"

"ان کے سونے کا وقت کتنے بجے سے کتنے بجے تک ہے؟" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"تین بجے سے پانچ بجے تک۔"

"گویا آج بھی وہ تین بجے سے سو رہے ہیں اپنے کمرے میں!" میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"ہاں بالکل، یہ ان کا روز کا معمول ہے۔"

"اچھی بات ہے، جب وہ جاگیں تو انہیں بتا دیجیے گا ۔ شوکی اینڈ کو کا فون آیا تھا۔"

"ضرور بتا دوں گا۔" یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا گیا۔

اور میں نے بھی مرے مرے انداز میں فون کا ریسیور رکھ دیا۔

"الٰہی خیر، معلوم ہوتا ہے، گڑبڑ ہو گئی ہے۔" اشفاق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گھبرانے اور بوکھلانے سے کچھ نہیں ہوگا ۔ ٹھنڈے دماغ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ امیر بینا تین بجے سے پانچ بجے شام تک سونے کے عادی ہیں۔ وہ پانچ بجے بیدار ہوں گے ۔ ملازم اس سے پہلے ان سے بات کرانے پر تیار نہیں۔" میں نے انہیں بتایا۔

"تو میرا خیال بالکل درست تھا۔ کالی کتاب اور نوٹوں کی گڈی دراصل ہم سے امیر بینا صاحب نہیں لے گئے، بلکہ ان کے بھیس میں وہ یا تو ان کا بھائی تھا یا کوئی اور۔" آفتاب نے بے چین ہو کر کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؛ تاہم ابھی امیر بینا سے تصدیق کرنا باقی ہے۔"

"اب ہم انہیں کیا منہ دکھائیں گے۔" اخلاق بولا۔

"اس میں ہمارا اتنا قصور نہیں جتنا امیر بینا کا۔ انہوں نے اپنے بھائی کے کاموں اور ارادوں کے بارے میں تو بتایا، لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کی شکل ان سے بہت زیادہ ملتی ہے ۔ اتنی زیادہ کہ ہم بھی دھوکا کھا گئے۔"

"اب آئے گا مزا جاسوسی کا ۔ اگر امیر بینا نے ہم سے اپنی

کتاب اور پانچ ہزار روپے کا مطالبہ کر دیا تو؟"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

آخر میں نے پانچ بج کر دو منٹ پر پھر فون کیا۔ اس مرتبہ پھر وہی کھردری آواز سنائی دی میری آواز سُن کر اس نے کہا۔

"صاحب جاگ گئے ہیں جناب، میں ابھی انہیں آپ کے فون کی اطلاع دیتا ہوں۔"

جلد ہی امیر بینا کی آواز سنائی دی — اب یہ آواز ذرا بھی بیٹھی ہوئی نہیں تھی۔

"ہیلو امیر بینا صاحب، یہ میں ہوں شوکی اینڈ کو کا نمائندہ۔"

"ہیلو شوکی صاحب کیا حال ہے۔ خیر تو ہے، مجھے فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی — ملازم نے بتایا تھا کہ آپ نے کچھ دیر پہلے بھی فون کیا تھا۔"

"جی ہاں، کل آپ نے ہم سے جو گفت گو کی تھی، اس سے ہم سہمے ہوئے ہیں۔ آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ ملازم کے یہ بتانے پر کہ آپ سو رہے ہیں، اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اب جب کہ آپ کی آواز سُن لی ہے، تو اطمینان ہو گیا ہے۔ کیا آپ روزانہ دوپہر تین بجے سے شام پانچ بجے تک سونے کے عادی ہیں؟" میں نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، رات کو مجھے بہت دیر سے نیند آتی ہے۔ اس لیے

دن میں سوتا ہوں۔"

"آج بھی آپ تین بجے سوئے تھے اور پانچ بجے بیدار ہوئے ہیں۔" میں نے کہا۔ میرا دل بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔

"بالکل، یہ میرا روز کا معمول ہے۔ کل بھی میں آپ کے پاس تقریباً ساڑھے پانچ بجے کے قریب آیا تھا۔"

"جی ہاں، ایک سوال اور — آپ آج تین بجے سے پانچ بجے کے دوران اٹھ کر کہیں گئے تو نہیں؟"

"بالکل نہیں، میں تمام وقت سوتا رہا۔"

"کیا آپ کو پوری طرح یقین ہے؟" میں نے کہا۔

"بھلا اس میں یقین نہ ہونے کی کونسی بات ہے؟"

"ہاں واقعی۔ اس میں یقین نہ ہونے کی کوئی بات بھی نہیں۔ اچھا آپ نیند میں چلنے کے عادی تو نہیں ہیں؟" میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ آخری امکان کے بارے میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں، مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں —" اس نے کہا، پھر چونک کر بولا:

آخر آپ یہ سب سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ایک خاص وجہ ہے۔" میں نے کہا۔

"جلدی بتائیے، وہ خاص وجہ کیا ہے؟"

"کل آپ نے ہمیں یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ آپ کے چھوٹے

بھائی کی شکل صورت آپ سے بالکل ملتی جلتی ہے۔"

"مجھے خیال نہیں رہا، لیکن آپ لوگوں کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی؟"

"جی بس معلوم ہوگئی، آخر ہم بھی جاسوس ہیں۔" میں نے بڑی مشکل سے کہا۔ اگر میں اسے اصل بات بتا دیتا تو نہ جانے اس پر کیا گزرتی۔ ایک لمحے کے لیے رکتے ہوئے میں نے فوراً ہی پوچھا۔

"آپ کے بھائی کا نام اور پتا کیا ہے؟"

"اس کا نام زاہد کریم ہے۔ تیرھویں سڑک کی تیسری گلی کے مکان نمبر گیارہ میں رہتا ہے۔ آپ نے بتایا، نن، نن، غغے غغے — پھس....."

"نن، نن، غغے، غغے، پھس — یہ کون سی زبان کے الفاظ ہیں جناب اور ان کا مطلب کیا ہے؟" میں نے حیران ہو کر کہا۔

اسی وقت میں نے ریسیور کے گر کر میز سے ٹکرانے کی آواز سنی، پھر میں نے بہت مدھم اور گھٹی گھٹی آواز سنی:

"ظالم یہ کیا کیا — مم، مجھے مار ڈالا۔"

پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور تیز تیز سانس لینے کی آواز آتی رہی — میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح تیز تیز سانس صرف مرتا ہوا آدمی ہی لے سکتا ہے۔

"ہیلو ہیلو، امیر بینا صاحب، خدا کے لیے بتائیے، کیا ہوا۔ کیا آپ پر کسی نے حملہ کیا ہے — فوراً ریسیور اٹھا کر ہمیں بتا دیجیے — وہ — وہ کون تھا؟"

لیکن دوسری طرف تو موت کی خاموشی چھا چکی تھی۔ آخر میں نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اور پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"شاید امیر بینا صاحب کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ تینوں چلائے — ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئیں۔

⊙

تقریباً ایک منٹ تک ہم سکتے کے عالم میں بیٹھے رہے — آخر آفتاب کی آواز نکلی:

"اب کیا ہوگا — ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟"

"ابھی شاید کسی کو اس حادثے کا علم نہیں ہوگا، سوائے قاتل کے — کیوں نہ ہم امیر بینا کی کوٹھی پہنچ جائیں اور ان سے ملنے کی خواہش بیان کریں۔ اس طرح ہمیں کمرۂ واردات دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ یہ موقع جلالی نور کی مہربانی سے ہمیں پھر نہیں ملے گا۔" میں نے تجویز

پیش کی۔

"لیکن کیوں، ایک طرح سے اب یہ کیس ہمارے ہاتھ میں نہیں رہا۔ کتاب اور نوٹوں کی گڈی ہم سے امیر بینا کا بھائی دھوکے سے لے گیا ہے۔ اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں" اخلاق نے اعتراض کیا۔

"سنو، ہمیں دھوکا امیر بینا کے بھائی زاہد کریم نے دیا ہے، نہ کہ امیر بینا نے۔ ہم امیر بینا سے کالی کتاب اور معاوضہ وصول کر چکے ہیں، لہٰذا ہمیں اس کیس پر کام کرنا ہوگا۔ یہ ہماری ذمے داری ہے کہ امیر بینا نے کتاب میں جو ہدایات لکھی ہوں، ان پر عمل کیا جائے، ورنہ قاتل اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں" اشفاق نے کہا۔

"تب پھر جلدی کریں، کہیں ہم سے پہلے وہاں پولیس نہ پہنچ جائے"

اور ہم نے فوراً دفتر بند کیا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر امیر بینا کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ حالات ہر طرح پرسکون نظر آئے، نہ کوئی پولیس کی گاڑی وہاں موجود تھی اور نہ کوٹھی میں ہی کسی ہل چل کے آثار نظر آئے۔

"حالات ہمارے موافق ہی نظر آتے ہیں" میں بڑبڑایا اور گھنٹی

کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ جلد ہی ایک صاف ستھرے کپڑوں والا بوڑھا ملازم آتا نظر آیا۔

"جی فرمائیے" رہی کھردری آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی، جو میں فون پر دو مرتبہ سن چکا تھا۔

"ہمیں امیر بینا صاحب سے ملنا ہے" میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"آپ اپنا کارڈ دے دیں یا اپنے نام بتا دیں، میں انہیں جا کر اطلاع کر دیتا ہوں" اس نے کہا۔

"کارڈ تو ہمارے پاس نہیں ہے۔ تم صرف اتنا کہہ دو کہ جن لوگوں سے آپ کل شام ملنے گئے تھے، وہ آئے ہیں"

"جی بہتر۔ لیکن آپ نام کیوں نہیں بتا دیتے" ملازم نے حیران ہو کر کہا۔

"نام بتانے سے یہی بہتر رہے گا، جو میں نے کہا ہے"

"اچھی بات ہے" اس نے کہا، پھر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے ایک بلند چیخ کی آواز سنی۔ اس چیخ نے ہمیں بتا دیا کہ ہمارے اندازے غلط نہیں تھے۔ چنانچہ میں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا:

"میرے خیال میں اب ہمارا یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں، ورنہ شاید ہمیں موقع واردات دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ ہم کہہ دیں گے کہ

چیخ کی آواز سُن کر گھبراہٹ میں اندر گھس آئے تھے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا، جہاں تک کہ جلالی نور بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے، چلیے۔"

اور ہم نے اندر کی طرف دوڑ لگادی۔ برآمدے میں داخل ہونے کے بعد ہم نے ایک نوجوان آدمی کو ایک طرف دوڑ کر جاتے دیکھا۔ اس کے پیچھے وہی ملازم تھا جو ہماری آمد کی خبر لے کر گیا تھا۔ ہم بھی ان کے پیچھے لپکے، کوشش یہ تھی کہ وہ ہمارے قدموں کی آواز سُن کر پلٹ کر نہ دیکھ لیں۔

اور پھر ہم نے انہیں ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، دوسرے ہی لمحے ہم نے ایک دھاڑ سُنی:

"نہیں نہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ اف خدا، ہم لٹ گئے، ہم تباہ ہوگئے، ہم کہیں کے نہیں رہے۔"

ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس کمرے میں داخل ہوگئے۔ کمرے کے فرش پر امیر بینا اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کی کمر میں خنجر دستے تک پیوست تھا۔ فون والی تپائی اس کے پیٹ کے قریب تھی۔ ریسیور تپائی سے ٹکراتا ہوا نیچے لٹک گیا تھا۔ قالین پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ امیر بینا آخر ایک صحت مند آدمی تھے۔

"یا اللہ رحم، میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

پھر نوجوان کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔ اب ہم سے برداشت

نہ ہو سکا۔ ہم چاہتے تو نہایت خاموشی سے الٹے قدموں واپس جا سکتے تھے۔ اس طرح کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، لیکن ہم نے مناسب نہ سمجھا۔ اس معاملے میں آخر ہمیں شامل ہونا ہی پڑتا، چنانچہ کئی سیکنڈ تک نوجوان کی سسکیاں سننے کے بعد میں نے کہا:

"آخر آپ کب تک روتے رہیں گے۔ سب سے پہلے تو پولیس کو فون کرنا چاہیے۔"

میری آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا، پھر نوجوان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کہا:

"آپ۔ آپ کون ہیں اور اندر کیسے چلے آئے؟"

"ہم امیر بینا صاحب سے ملنے آئے تھے۔ ہم گھنٹی بجا کر ملازم کو بلایا تھا۔ یہ ہماری آمد کی اطلاع دینے کے لیے اندر آئے، پھر ہم نے ایک چیخ کی آواز سُنی۔ ہم گھبرا گئے اور صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اندر چلے آئے۔ اگر آپ کو ہماری یہاں موجودگی پسند نہیں تو ہم الٹے قدموں واپس چلے جاتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب، میں انہی کی آمد کی اطلاع لے کر یہاں آیا تھا۔" ملازم نے روتے ہوئے کہا۔

اسی وقت ایک اور آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی:

"کیا ہوا توقیر بیٹے؟"

آواز بیٹھی ہوئی سی تھی۔ ہم چونک کر مڑے ۔ ایر ہیناسے بالکل ملتا جلتا ایک آدمی ہمارے سامنے کھڑا تھا، ہم سمجھ گئے کہ یہ ناہد کریم ہے ۔

پھر جلالی نور

چند لمحے تک ہم اسے گھورتے رہے ۔ اس نے ہماری طرف دیکھا بھی نہیں۔ لاش پر نظر پڑتے ہی سکتے کے عالم میں رہ گیا، پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"معاف کیجیے گا جناب، آپ غیر ضروری دیر کر رہے ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر حضرات موت کے وقت کا درست اندازہ نہیں لگا پاتے، آپ کو فوراً پولیس کو فون کر دینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

میری آواز سُن کر توقیر بیتا چونک اٹھا اور پھر فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولا :

"ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، آپ کو بھی پولیس کے آنے تک یہیں ٹھہرنا ہو گا ۔ شاید پولیس آپ سے بھی سوالات کرنا پسند کرے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے کہا اور وہ پولیس سٹیشن کے نمبر ڈائل کرنے لگا ۔ تھوڑی دیر تک فون پر واردات کی تفصیل بتاتا رہا، پھر اس نے ریسیور رکھ دیا ۔

"پولیس آ رہی ہے ۔ انسپکٹر صاحب نے ہدایت کی ہے کہ کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے ۔ ہر چیز جوں کی توں رہنے دی جائے ۔"

"ہاں، یہ بہت ضروری ہے ۔" آفتاب بول اٹھا ۔

ان کا رونا اور سسکنا جاری رہا ۔ یہاں تک کہ ایک پولیس انسپکٹر، سب انسپکٹر، چند کانسٹیبل اور دوسرا عملہ آتے نظر آئے ۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آنے والا انسپکٹر جلالی نور نہیں تھا شاید یہ اس کا حلقہ نہیں تھا ۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے پہلے لاش کا معائنہ کیا ۔ ڈاکٹر نے لاش کی نبض دیکھی ۔ دل کی دھڑکن محسوس کی اور پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا :

"انہیں مرے تقریباً آدھ گھنٹا ہو چکا ہے ۔"

ڈاکٹر کا اندازہ بالکل درست تھا، کیونکہ مجھے تو موت کا بالکل درست وقت معلوم تھا ۔ اس وقت وہ مجھ سے ہی تو بات چیت کر رہے تھے ۔

اب انسپکٹر نے ملازم اور توقیر بینا سے واقعات سُنے ۔ واقعات تھے ہی کیا، جنہیں بیان کرنے میں دیر لگتی ۔ نتیجہ یہ کہ جلد ہی انسپکٹر کی نظریں ہم پر جم گئیں ۔

"آپ امیر بینا مرحوم سے کیوں ملنا چاہتے تھے ؟"

"کچھ دیر پہلے ہماری ان سے فون پر بات چیت ہوئی تھی ۔

لیکن ہم فون پر پوری طرح بات نہ کر سکے ؛ چنانچہ ہم نے یہاں آنے کا پروگرام بنایا ۔

"کیا بات چیت ؟ آپ کا امیر بینا مرحوم سے کیا تعلق تھا ؟" اس نے پوچھا ۔

میں نے اپنے تینوں بھائیوں کی طرف دیکھا ۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی تھا ۔ سب کچھ چھپانے کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم پولیس کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں ؛ چنانچہ میں نے کہا :

"ہمارے والد صاحب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ ہم چاروں زیر تعلیم ہیں، گھر کا گزارا ہی بڑی مشکل سے ہوتا ہے ۔ تعلیم کے اخراجات کیسے پورے کیے جائیں ، لہذا ہم فارغ اوقات میں کسی کام کاج کی تلاش میں رہتے ہیں ؛ چنانچہ امیر بینا سے بھی اسی سلسلے میں گفت گو ہوئی تھی اور ملنے آئے تھے ۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہاں یہ دردناک حادثہ پیش آجائے گا ۔"

"ہوں خیر، آپ لوگ اپنے نام اور پتا لکھوا دیں، میں آپ کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا ۔"

"جی بہتر ۔" میں نے کہا ۔ اس نے اپنے نائب کو اشارا کیا اور میں نام اور پتا لکھوانے لگا ۔ اس دوران ہمارے کان کمرے میں ہونے والی گفت گو کی طرف لگے ہوئے تھے ۔

"اور آپ کون ہیں ۔ ارے، آپ کی شکل تو مقتول سے بہت

ملتی جلتی ہے۔" انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں، میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں۔"

"کیا آپ بھی یہیں رہتے ہیں؟"

"جی نہیں، میرا گھر الگ ہے، لیکن چند روز سے میں یہیں آیا ہوا ہوں۔"

"اور آپ غالباً مقتول کے بیٹے ہیں۔" اس نے توقیر بینا سے پوچھا۔

"جی ہاں، میں ہی بدنصیب ان کا بیٹا ہوں۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں کے خیال میں یہ کارروائی کس کی ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر نے پوچھا

عین اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:

"سر انسپکٹر جلالی نور تشریف لا رہے ہیں۔"

ہم بری طرح چونکے — چہروں پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"ارے، وہ ادھر کیسے آ گئے؟"

"انہیں آپ سے کوئی کام تھا۔ پولیس سٹیشن گئے تھے، وہاں انہیں بتایا گیا کہ آپ یہاں آئے ہیں؛ چنانچہ وہ بھی ادھر ہی آ گئے۔"

"ٹھیک ہے، یہ اور بھی اچھا ہوا — ان سے بھی کیس کے

سلسلے میں مشورہ ہو جائے گا۔ انہیں یہیں لے آؤ۔" انسپکٹر نے خوش ہو کر کہا۔

"جی بہتر۔" کانسٹیبل نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ اسی وقت انسپکٹر کی نظر ہم پر پڑی۔

"آپ لوگ ابھی تک یہیں ہیں؟"

"جی ابھی ابھی نام اور پتا لکھوا کر فارغ ہوئے ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"خدا حافظ۔" انسپکٹر نے منہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

جوں ہی ہم کمرے سے نکلے — ہماری نظر دوسری طرف سے آتے ہوئے انسپکٹر جلالی نور پر پڑی۔ اس نے جو ہمیں کمرے سے نکلتے دیکھا تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — نظریں ہم پر جم کر رہ گئیں۔ ہم نزدیک سے گزر ہی رہے تھے کہ اس نے کہا:

"ہیلو، تم لوگوں سے ایک بار پھر مل کر خوشی ہوئی۔ یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"ہم انسپکٹر صاحب کو بتا چکے ہیں اور انہوں نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی ہے، لہٰذا آپ انہی سے پوچھ لیجیے گا۔" یہ کہہ کر میں نے پھر قدم اٹھا دیے۔

"ارے ارے، ٹھہرو بھئی، ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسپکٹر غفور اس شہر میں نئے آئے ہیں، لہٰذا وہ تم لوگوں

سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ انہوں نے سرسری انداز میں تم سے یہاں موجودگی کا سبب پوچھا ہوگا اور تم نے بھی سرسری انداز میں جواب دے دیا ہوگا، لہٰذا انہوں نے تمہیں جانے کی اجازت دے دی، لیکن چونکہ میں تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں اور تمہاری بدقسمتی سے میں عین اس وقت یہاں پہنچ گیا ہوں، جب تم رخصت ہونے ہی والے تھے۔ اس لیے اب میرے بھی چند سوالات کے جواب دیتے جاؤ۔"

"جی بہتر، بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آجاؤ اندر۔"

ہم اس کے پیچھے چلتے ایک بار پھر کمرۂ واردات میں داخل ہوئے۔

"آئیے آئیے جلالی نور صاحب، آپ نے بہت مہربانی کی جو یہاں چلے آئے۔ کیس کے سلسلے میں مشورہ ہو جائے گا۔" انسپکٹر غفور نے پُرجوش انداز میں کہا۔ ساتھ ہی اس کی نظر ہم پر پڑی تو چونک کر بولا۔

"آپ لوگ گئے نہیں۔ دیکھیے، یہ قتل کا کیس ہے۔ ایسی جگہوں سے تو لوگوں کو کوسوں دُور رہنا چاہیے اور آپ ہیں کہ جا ہی نہیں رہے؛ حالانکہ میں نے اجازت دے دی ہے۔"

"تو یہ یہاں کچھ دیر رکنے کی کوشش میں تھے؟" جلالی نور نے ہمیں گھور کر دیکھا۔ اس کا جملہ سُن کر انسپکٹر غفور کو بڑی حیرت ہوئی۔

"کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح، ابھی جب میں ان کی تعریف کروں گا، تو آپ بھی انہیں بہت اچھی طرح جان جائیں گے۔"

"دیکھیے جناب، انسان کو تعریف تو بس خدا کی کرنی چاہیے۔" اشفاق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ مشہور و معروف سراغرسان انسپکٹر مشتاق احمد خان کے صاحبزادے ہیں جو آج کل ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان چاروں نے اپنا ایک عدد جاسوسی کا ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ اس ادارے کی آڑ میں یہ چاروں گل کھلاتے پھرتے ہیں۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، ہمارے ملک میں بھلا پرائیویٹ جاسوسی کی اجازت کہاں؟"

"یہ خود کو پرائیویٹ جاسوس نہیں کہتے، بلکہ لوگوں کی بھلائی کے کام کرنے والے کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کا ادارہ دوسروں کی خدمت کرتا ہے اور یہ اس خدمت کا معاوضہ لیتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں اسی قسم کے ایک کیس کے سلسلے میں ان کا نام خوب مشہور ہوا تھا۔ قتل کا معاملہ تھا اور عدالت میں انہوں نے خوب پھلجھڑیاں چھوڑی

تھیں۔ ایسی پھلجھڑیاں کہ جج صاحب بھی ان سے خوش ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے آنریبل جی صاحب کے کان میں نہ جانے کیا پھونک ماری کہ وہ بھی ایک دم ان سے خوش ہو گئے اور انہیں اس ادارے کو قائم رکھنے کی اجازت دے دی۔ یہ خبر کافی گرم رہی۔ پچھلے دنوں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس معاملے میں بھی ان کی ٹانگ اڑی ہوئی ہے۔"

"ٹانگ اڑی ہوئی ہے۔" انسپکٹر غفور نے حیرت بھرے لہجے میں کہا: "میرے خیال میں تو اس معاملے سے ان کا ذرا بھی تعلق نہیں انہوں نے بتایا تھا، امیر بینا انہیں کچھ کام دینا چاہتے تھے اور فون پر ان کی ان سے بات چیت بھی ہوئی تھی۔"

"ہاں، یہ حقیقت ہے۔ اس بات کی گواہی گھر کا یہ ملازم بھی دے گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب، بھلا میں کس طرح گواہی دے سکتا ہوں؟" ملازم حیران ہو کر بولا۔

"کیا پانچ بجے سے پہلے شوکی اینڈ کو کی طرف سے امیر بینا کو ایک فون نہیں کیا گیا تھا اور تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ صاحب پانچ بجے سو کر اٹھتے ہیں، اس وقت فون کیجیے گا۔" میں نے تیز آواز میں کہا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔" ملازم فوراً بول اٹھا۔

"اور پھر پانچ بجے شوکی اینڈ کو کی طرف سے پھر فون کیا گیا تھا

اور تم نے اس فون کی اطلاع امیر بینا مرحوم کو دی تھی۔" میں نے اس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور عین اسی وقت جب وہ مجھ سے فون پر بات کر رہے تھے، میں نے ان کے حلق سے غرغراہٹ کی آواز نکلتے سنی، پھر ریسیور کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ اس وقت پانچ بج کر دو تین ہی منٹ ہوئے ہوں گے۔ ہم گھبرا گئے اور صورت حال معلوم کرنے کے لیے یہاں آ گئے۔ ہم نے گھنٹی بجائی۔ اس ملازم نے آ کر ہمارے نام پوچھے اور اندر اطلاع دیتے چلا گیا، لیکن پھر ہم نے اس کی چیخ سنی اور ہم بھی اندر آ گئے۔ کیوں جناب، کیا یہی بات نہیں ہے؟"

"بالکل یہی بات ہے۔" ملازم نے فوراً کہا۔

"اب بتائیے، بھلا اس کیس سے ہمارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" اخلاق احمد نے بُرا سا منہ بنایا۔

"صبر کرو، تعلق میں ثابت کروں گا۔" جلالی نور نے طنز بھرے لہجے میں کہا، پھر بولا:

"امیر بینا تم سے کیا کام لینا چاہتے تھے؟"

میں ہچکچایا۔ معاملہ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ اگر۔ کالی کتاب ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جاتی تو اس وقت ہم یہاں نہ ہوتے اور پھر اس کالی کتاب کا مطالعہ کرتے۔ کیس کے سلسلے میں عدالتی کارروائیوں

کا خاموشی سے جائزہ لیتے اور پھر مناسب وقت پر دخل اندازی کرتے، لیکن اب ہم کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے آئی جی انوار عالم صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ پولیس کے راستے میں روڑے نہیں اٹکائیں گے؛ چنانچہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ سب کچھ صاف صاف بتا دیا جائے۔ اتنا موقع بھی نہیں تھا کہ میں اشفاق، اخلاق اور آفتاب سے مشورہ کر سکتا۔ آخر میں نے کہا:

"وہ کل ہمارے ادارے کے دفتر میں آئے تھے۔" میں نے بتایا۔

"کیا؟" انسپکٹر غفور کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر جلالی نور مسکرا پڑا اور بولا:

"میں نے کہا تھا نا، میں تعلق ثابت کر دوں گا۔"

"حیرت ہے۔" انسپکٹر غفور ہمیں گھور کر رہ گیا۔

"ہاں بھئی، آگے بیان کرو، تو امیر بیٹا کل تمہارے دفتر گئے تھے یعنی شوکی اینڈ کو کے دفتر۔" اس کے لہجے میں طنز کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ آفتاب کا چہرہ سرخ ہو گا، لیکن میں نے اسے آنکھ کے اشارے سے سمجھایا کہ یہ موقع غصہ کھانے کا نہیں ہے۔

"جی ہاں، وہ کل ہمارے دفتر آئے تھے۔ وہ ہمارے پاس ایک کتاب رکھوانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں معاوضہ بھی دس ہزار دینا چاہتے تھے۔ کام صرف یہ تھا کہ اس کتاب کو حفاظت سے

رکھیں اور ان کی موت سے پہلے کھول کر نہ دیکھیں۔ موت کی صورت میں اس کتاب کو پڑھیں اور اس میں لکھی ہوئی ہدایات پر عمل کریں۔ انہوں نے خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ کوئی ان کے خون سے ہاتھ رنگنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں وہ تین بار کوشش بھی کر چکا ہے۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ ان کی جائیداد کسی بھی صورت قاتل کو نہ مل سکے۔ ان کا خیال تھا کہ قاتل کوئی ایسی چال چلنا چاہتا ہے کہ انہیں قتل کر کے الزام کسی اور کے سر تھوپ دے اور خود جائیداد پر قابض ہو جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے شک کا اظہار بھی کیا تھا۔" میں رکے بغیر کہتا چلا گیا کیونکہ ان حالات میں رکنا کسی صورت بھی مناسب نہیں تھا۔ میرے رکتے ہی جلالی نور نے کہا:

"اور انہوں نے اپنے شک کا اظہار کس پر کیا تھا؟"

"اپنے بھائی زاہد کریم پر۔"

"کیا؟" زاہد کریم حلق پھاڑ کر بولا۔

ہماری کہانی

چند لمحے تک موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ آخر میں نے پھر کہنا شروع کیا:

"جی ہاں، انہوں نے واضح لفظوں میں آپ پر شک ظاہر کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آپ قتل کا شک ان کے بیٹے توقیر بینا پر ڈال دیں گے، تاکہ اسے تو سزا ہو جائے اور جائیداد آپ کو مل جائے، لیکن اس کا توڑ انہوں نے یہ نکالا کہ ایک کتاب لکھی۔ جہاں انہوں نے اس کتاب میں اپنی زندگی کے واقعات درج کیے، وہاں یہ بھی لکھا کہ کوئی انہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اس کتاب میں لکھی ہدایات پر عمل کرنے کی صورت میں قاتل کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔" یہاں تک کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

"اگر تمہارا بیان پورے کا پورا سچ پر مبنی ہے، تو پھر تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ تم میں سے ایک یا دو اسی وقت جائیں

اور وہ کتاب لے آئیں۔" جلالی نور بولا۔

"ہمیں افسوس ہے، ہم وہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش نہیں کر سکیں گے۔" آفتاب نے نظریں نیچی کر کے کہا۔

"کیوں، کیا صرف اس لیے کہ امیر بینا نے اس کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک قتل کا کیس ہے اور اس کتاب سے اس کیس کے حل کرنے میں بہت مدد مل سکتی ہے؛ چنانچہ تم لوگ کتاب فوراً یہاں لے آؤ۔"

"بات وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ آج چار بجے کے قریب امیر بینا کی شکل صورت سے بالکل ملتا جلتا ایک شخص ہم سے وہ کتاب لے گیا۔ اس کی شکل صورت میں اور امیر بینا کی شکل صورت میں ذرا برابر بھی فرق نہیں تھا، اس لیے ہم دھوکا کھا گئے۔ بس اس کی آواز قدرے بھاری ضرور تھی جیسے گلا بیٹھا ہوا ہو۔ اس نے آکر کہا تھا کہ اب اس شخص نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے، لہٰذا کتاب واپس کر دیں۔ ہم نے نہ صرف کتاب بلکہ رسم بھی اسے واپس کر دی، لیکن پھر اس کے چلے جانے کے بعد ہمیں خیال ہوا کہ پہلے اس نے مکمل طور پر خاموش رہ کر ہم سے کتاب کے بارے میں باتیں اگلوالیں اور پھر کتاب کا مطالبہ کیا۔ کہیں یہ شخص امیر بینا کا بھائی تو نہیں تھا، یہ خیال آتے ہی ہم نے امیر بینا کو فون کیا، لیکن وہ اس وقت سو رہے تھے؛ چنانچہ ہم نے پانچ بجکر

ایک آدھ منٹ پر فون کیا اور انہیں یہ احساس دلائے بغیر کہ ہمارے ساتھ کیا ہو چکا ہے، ہم نے ان سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ تین بجے سے پانچ بجے تک سوتے رہے ہیں۔ اب یہ بات بالکل ثابت ہو گئی تھی کہ کتاب اور نقدی ان کے بھائی لے اڑے ہیں۔ ابھی فون پر بات ہو رہی تھی کہ ان کی غرغراہٹ کی آواز سنائی دی اور پھر ریسیور گرنے کی آواز سنائی دی؛ چنانچہ ہم ادھر دوڑے آئے۔ یہ ہے جناب کل کہانی — ہم نے آئی جی انوار عالم صاحب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ پولیس کے راستے میں مشکلات نہیں پیدا کریں گے، بلکہ اس کی مدد کریں گے۔ اس لیے سب کچھ لفظ بہ لفظ بتا دیا ہے اور ایک بات بھی نہیں چھپائی۔ آپ ہم سے کچھ اور سوالات کرنا چاہتے ہوں تو ہم حاضر ہیں۔" یہاں تک کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

"اگر تم نے سب کچھ لفظ بہ لفظ بتا دیا ہے، تب تم اس قتل کے کیس سے واقعی لاتعلق ہو۔ تو تمہارے خیال میں تم سے ... اور رقم زاہد کریم صاحب لے آئے ہیں۔"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم یہاں ان کی آواز بھی سن چکے ہیں۔ بالکل اسی آواز میں انہوں نے ہم سے بات کی تھی۔"

"اچھا وہ کتاب کیسی تھی۔ میرا مطلب ہے، اس کا سائز کیا تھا؟ رنگ روپ کیسا تھا؟ جلد کیسی تھی؟" جلالی نور نے پوچھا۔

"کتاب کی جلد سیاہ رنگ کی تھی۔ زیادہ بڑے سائز کی نہیں

تھی — ہم نے اسے کھول کر نہیں دیکھا تھا، کیونکہ امیر بنیام مرحوم نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ اب تم لوگ ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔ ہم ذرا لاش اور کمرے کا جائزہ لے لیں۔" جلالی نور نے کہا اور لاش کی طرف بڑھ گیا۔ انسپکٹر غفور نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"اس پہلو سے آپ لوگ تصاویر لے چکے ہیں۔" اس نے پوچھا —

"جی ہاں،" فوٹو گرافر نے کہا۔

"ٹھیک ہے — اب ہم لاش کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر جلالی نور نے لاش کو الٹ دیا، پھر وہ زور سے چونکا، ہماری نظریں بھی چونکہ اسی طرف تھیں، اس لیے ہم بھی اچھل پڑے اور آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

لاش الٹتے ہی ہماری نظریں کالی کتاب پر پڑی تھیں۔

○

"ارے، یہاں تو ایک کالی کتاب موجود ہے۔"

"یہی وہ کتاب ہے جناب، لیکن ذرا احتیاط سے — اس کی جلد

پر امیر بینا اور ہماری انگلیوں کے علاوہ زاہد کریم کی انگلیوں کے نشان بھی ہوں گے، جس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ کتاب ہم سے یہی لائے تھے۔" میں نے جلدی سے کہا، کیونکہ جلالی نور کتاب اٹھانے کے لیے ہاتھ جھکا چکا تھا۔ میرے الفاظ سُن کر اس نے غصے کے عالم میں ہاتھ کھینچ لیا اور سر جھٹک کر بولا:

"مجھے جاسوسی سکھانے کی کوشش نہ کرو۔"

"جی بہت بہتر۔" میری بجائے آفتاب مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"دیکھیے جناب، یہ لڑکے برابر مجھ پر الزام لگائے جا رہے ہیں۔ میں انہیں نہیں جانتا، نہ اب سے پہلے میں نے انہیں کبھی دیکھا ہے اور اس کالی کتاب کو بھی میں نے اسی وقت دیکھا ہے۔" زاہد کریم نے منہ بنایا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ان کے الزام لگانے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہم خود تفتیش کریں گے۔ ہاں ایک بات آپ نے ابھی ابھی خود ہی تسلیم کیا ہے کہ اس کتاب کو بھی آپ نے اسی وقت دیکھا ہے، یعنی اس سے پہلے دیکھا تک نہیں۔ اس صورت میں آپ کی انگلیوں کے نشانات تو اس پر ہونے نہیں چاہییں۔"

"جی ہاں، بالکل نہیں ہونے چاہییں۔"

"اب اگر اس کی جلد پر آپ کی انگلیوں کے نشان مل گئے،

تو پھر آپ کا جواب کیا ہوگا۔" جلالی نور نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اس صورت میں میں اپنے ہاتھ ہتھکڑیوں کے لیے پیش کر دوں گا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب، آپ اطمینان رکھیں۔" یہ کہہ کر وہ فوٹو گرافر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس کتاب کی جلد پر سے انگلیوں کے نشان بہت ہی احتیاط سے اٹھانے ہیں۔ انسپکٹر غفور صاحب اپنے اسسٹنٹ سے کہیے کہ وہ زاہد کریم صاحب اور ان چاروں کی انگلیوں کے نشان لے لیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے کہا اور اسسٹنٹ کو ہدایات دینے لگا۔

کالی کتاب پر سے نشان اٹھائے جا چکے تو جلالی نور نے اسے اٹھا لیا اور طنز بھرے لہجے میں بولا:

"اب چونکہ امیر بینا اس دنیا میں نہیں ہیں، اس لیے میں یہ کتاب پڑھ کر دیکھ سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے کتاب کھول لی اور اس کے ورق الٹنے لگا۔ ہم کمرے میں موجود لوگوں اور چیزوں کا جائزہ لینے لگے۔ سب سے زیادہ خراب حالت توقیر بینا کی نظر آ رہی تھی۔ اس کا رنگ بالکل زرد پڑ چکا تھا۔ آنکھیں کھوئی کھوئی سی تھیں۔ اس عمر میں باپ سے بچھڑ جانے کے بارے میں شاید اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ دوسری طرف زاہد کریم بے فکر سا بیٹھا تھا۔ اس کی بے فکری

دیکھ کر ہمیں بہت حیرت ہوئی — ہمارے خیال میں پھانسی کا پھندا تو اس کے سر پر لٹک رہا تھا۔ اس پر بھی اتنی بے فکری، حیرت والی بات بھی تھی۔ ملازم کی آنکھوں میں ابھی تک آنسو مچل رہے تھے — شاید اسے امیر بینا سے بہت لگاؤ تھا۔

"دوسرا ملازم ابھی تک نظر نہیں آیا — کیا اسے اس واقعے کی اطلاع نہیں ہوئی اب تک" میرے منہ سے نکل گیا۔

"اوہ، گھر میں کوئی اور ملازم بھی ہے۔ ہمیں تو یہ بات معلوم ہی نہیں تھی" انسپکٹر غفور چونکا۔

"ہمیں یہ بات امیر بینا نے بتائی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان کا اس دنیا میں سوائے ایک جوان بیٹے کے اور کوئی نہیں۔ گھر میں دو ملازم ہیں اور بس — اور ہاں، ایک بات اور یاد آئی" یہ کہتے وقت میں نے جلالی نور کی طرف دیکھا، میں چاہتا تھا، وہ بھی اس بات کو سن لے، لیکن وہ تو کالی کتاب میں بُری طرح غرق تھا۔

"کیا بات؟" انسپکٹر غفور بولا۔

"یہ کہ انہوں نے بتایا تھا، والدصاحب کے مرنے کے بعد ان کے چھوٹے بھائی زاہد کریم اپنا حصہ لے کر علیحدہ ہوگئے تھے اور پھر انہوں نے اپنا حصہ جوئے اور ریس میں ضائع کر دیا۔ یہاں تک کہ اب تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں، جب کہ انہوں نے اپنے

حصے کو کاروبار میں لگا کر خوب ترقی کی ہے اور اب ان کا شمار کروڑ پتیوں میں ہوتا ہے"۔

"اوہ" انسپکٹر غفور کے منہ سے نکلا، پھر اس کی نظریں زاہد کریم پر جم گئیں — جیسے پوچھ رہا ہو، کیوں جناب، کیا یہ بات درست ہے۔

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ میں بھائی جان سے الگ ہو گیا تھا۔ جوئے اور ریس کی عادت مجھے والدصاحب کے زمانے سے ہی پڑ گئی تھی — والدصاحب مجھے منع کرتے رہے، لیکن میں باز نہ آیا۔ آخر وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ تب بھائی جان نے مجھ پر پابندیاں عاید کرنا شروع کر دیں۔ میں ان پابندیوں کو برداشت نہ کر سکا اور اپنا حصہ لے کر الگ ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا، جوئے کے ذریعے راتوں رات دولت مند بن جاؤں گا، لیکن ہوا اس کے الٹ۔ ہار جیت کا چکر صرف دو تین دن تک چلا — اور پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب میں ادھر ادھر چھوٹے موٹے کام کرتا پھرتا ہوں — اسی سلسلے میں کئی بار بھائی جان کے پاس بھی آیا کہ شاید وہ اپنی مل میں رکھ لیں اور کوئی اچھی سی ملازمت مجھے دے دیں، مگر انہوں نے ہر بار صاف انکار کر دیا۔ وہ میری کوئی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ دراصل ان کا خیال یہ تھا کہ کہیں میں مل میں جوئے کی وبا نہ پھیلا دوں — یوں وہ تھوڑے بہت پیسے اکثر مجھے دے دیا کرتے تھے" زاہد کریم نے بتایا۔

اس کے الفاظ نے جلالی نور کو بھی کتاب پر سے نظریں اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر وہ بولا:

"اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر بینا پر تین بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ ان تینوں موقعوں پر آپ اس گھر میں ہی موجود تھے اور قتل کی واردات کے وقت بھی آپ یہیں موجود تھے۔ یہ ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاتل میں ہوں۔"

"ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قاتل کون ہے؟" جلالی نور نے کہا اور پھر کتاب میں گم ہو گیا۔ اس دوران انسپکٹر غفور کے نائب نے ہماری انگلیوں کے نشان لے لیے۔ اچانک اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا:

"کتاب کی جلد پر زاہد کریم کی انگلیوں کے نشان نہیں پائے گئے۔"

"کیا مطلب؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" آفتاب زور سے چونکا۔

"یہ ایک حقیقت ہے۔" نائب نے کہا۔

"کیا یہ بھی غور کر لیا گیا ہے کہ جلد پر سے نشانات مٹانے کی کوشش تو نہیں کی گئی۔" میں نے بے اعتباری کے لہجے میں کہا۔

"ہاں، غور کر لیا گیا ہے۔ اچھی طرح سے جائزہ لے لیا ہے۔

کتاب کی جلد پر سے کوئی نشان مٹانے کی کوشش قطعاً نہیں کی گئی۔"

"یہ، یہ، کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ہم چاروں کا اس وقت وہی حال تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

گرفتار کرلو

کالی کتاب واپس لینے کے لیے ہمارے پاس امیر بنیا تو آئے ہی ہی نہیں تھے، کیونکہ ایک تو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، دوسرے وہ تین بجے سو کر پانچ بجے اٹھے تھے۔ اب ان کی شکل سے ملتا جلتا آدمی یہاں زاہد کریم کے علاوہ کوئی نہیں تھا، لہذا ہمیں سو فی صد یقین تھا کہ ہم سے کتاب زاہد کریم ہی لایا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھوں پر دستانے بھی نہیں تھے کہ یہ کہا جا سکتا، دستانوں کی وجہ سے اس کی انگلیوں کے نشان نہیں آسکے۔ دستانے نہ ہونے کی صورت میں جلد پر اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملنے چاہییں تھے، جب کہ مٹائے جانے کے آثار بھی نہیں تھے اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔

"نائب صاحب، ذرا ایک بار پھر غور سے نشانات چیک کرلیں، کالی کتاب ہم سے یہی لائے ہیں، لہذا ان کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہونے چاہییں، یا پھر مٹائے جانے کے نشانات ہونے چاہییں۔"

"میں پوری طرح تسلی کر چکا ہوں۔" اس نے نائب صاحب پر برا سا منہ بنایا۔

"ختم کرو، میں نے کیس حل کر لیا ہے۔" اچانک جلالی نور بولا۔

"ارے، کیا واقعی؟" انسپکٹر غفور خوشی سے چلایا۔

"ہاں بالکل، اس کتاب نے سارا کیس چٹکی بجاتے حل کر دیا۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"آخر اس میں کیا لکھا ہے۔ قاتل کون ہے؟" انسپکٹر غفور نے بے چین ہو کر کہا۔

ادھر ہمارا مارے بے چینی کے برا حال تھا۔ اس قدر جلد کیس کس طرح حل ہو گیا تھا۔ ہم سبھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ زاہد کریم اب تک بے فکر بیٹھا تھا، جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں تھا اور جب سے انسپکٹر غفور کے نائب نے یہ بتایا تھا کہ کتاب کی جلد پر اس کی انگلیوں کے نشان نہیں ملے۔ اس وقت سے تو وہ ہمیں کچھ زیادہ ہی بے فکرا نظر آنے لگا تھا۔

"اس کتاب میں امیر بنیا نے اپنی زندگی کے تمام حالات مختصر طور پر درج کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک بہت ہی گھناؤنے جرم کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور شاید وہ جب تک جیتے رہے، اس جرم کے احساس میں جلتے رہے۔ انہوں نے کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کے والد بہت صحت مند تھے۔ دولت پر سانپ بن کر

بیٹھ گئے تھے۔ انہیں اچھی طرح خرچ بھی نہیں کرنے دیتے تھے؛ حالانکہ ان کے پاس بے تحاشا دولت تھی — آخر انہوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان کے والد کے مرنے تک تو خود وہ بوڑھے ہو جائیں گے، تب کہیں جا کر ہی دولت انہیں ملے گی۔ تو کیوں نہ انہیں ٹھکانے لگا دیا جائے۔ انہوں نے باپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ ایک منصوبہ بنایا۔ پہلے کچھ کتے پالے۔ ان میں سے ایک کو خود ہی زخمی کیا۔ جب اس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تو وہ ایک ڈاکٹر سے اس کے لیے زہر لے آئے اور اس میں سے ذرا سی مقدار سے کتے کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے باپ کو تھوڑا تھوڑا زہر روزانہ دینا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ اس زہر سے گھلتے چلے گئے۔ کنجوس پرلے درجے کے تھے، اس لیے کسی مستند ڈاکٹر سے اپنا علاج بھی نہ کرایا اور آخر ایک روز وہ مر گئے۔ اس طرح وہ اور ان کا بھائی ساری دولت اور جائیداد کے مالک بنے، پھر بھائی نے الگ ہونے کی ٹھان لی۔ انہوں نے اس کا حصہ دے کر اسے الگ کر دیا۔ بھائی جوئے اور ریس کا شوقین ہے۔ اس نے اپنے حصے کی جائیداد جوئے میں ہار دی، اب وہ تنگ دست ہے اور میں کروڑ پتی، لہٰذا وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح مجھے ہلاک کر دے اور قتل کا شبہ میرے بیٹے پر ڈال دے۔ بیٹا جو مجھ پر جان دیتا ہے۔ وہ اسے پھانسی کے تختے پر چڑھا دینا چاہتا ہے،

تاکہ خود کروڑ پتی بن جائے۔ لیکن میں اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔ میں یہ کتاب اسی لیے لکھ رہا ہوں کہ میری موت کے بعد دولت کسی طرح بھی میرے بھائی کو نہ مل سکے۔ اگلے صفحات پر میں اس کی ترکیب درج کر رہا ہوں۔"

یہاں تک سنا کر جلالی نور خاموش ہو گیا۔ اسی وقت لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اٹھوایا جانے لگا — اچانک میری حیرت میں بلا کا اضافہ ہو گیا — مجھے یوں لگا، جیسے زمین تیزی سے گھومنے لگی ہو — لاش کے چہرے پر میری نظر پوری طرح شاید پہلی بار پڑی تھی۔ مجھے اس کے چہرے پر ایک ایسی چیز نظر آئی تھی جو کہ اس کے چہرے پر نہیں ہونی چاہیے تھی؛ چنانچہ میں چلا اٹھا۔

"کیا لاش کے چہرے کی تصاویر اچھی طرح لی گئی ہیں؟"

"ہاں، یہ ہمارا کام ہے۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں — تم لوگوں کو تو اپنے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے۔" اس نے عجیب بات کہی۔

"بھلا ہمیں اپنے بارے میں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بالکل ٹھیک ٹھاک اور صحت مند تو ہیں۔" اخلاق نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب تم لوگ بالکل ٹھیک ٹھاک اور صحت مند نہیں رہ جاؤ گے۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"ہائیں، تو کیا آپ کو علم نجوم بھی آتا ہے؟"

"دراصل تم نے وہ ترکیب ابھی تک نہیں سُنی، جو امیر بینا نے کتاب کے آخر میں درج کی ہے۔"

"چلیے وہ بھی سنا دیں۔" میں نے پر اخلاق مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا، ورنہ اس کے الفاظ نے مجھے سچ مچ فکرمند کر دیا تھا۔

"آخر میں وہ لکھتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا، لیکن قانون کبھی مجھ پر شک نہ کر سکا اور میں پکڑا نہ جا سکا۔ اس لحاظ سے لوگ مجھے خوش قسمت خیال کریں، لیکن اپنی بدقسمتی کا احساس مجھے بعد میں ہوا، جب میری راتوں کی نیند اڑ گئی، دن کا چین غارت ہو گیا۔ اور پھر مجھ پر قاتلانہ حملے ہونے لگے تو میں نے جان لیا، میں نے اپنے باپ کو جس دولت کے لیے قتل کیا ہے، آج میرا بھائی اسی دولت کے لیے مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں اگر چاہتا تو پولیس کی مدد سے اپنے بھائی کو گرفتار کرا سکتا تھا اور اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتا، لیکن میری بے چینیوں نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی اور میں نے سوچا، مجھے اپنے بھائی کے ہاتھوں مر ہی جانا چاہیے۔ شاید یہی میرے جرم کی سزا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ چاہتا تھا کہ میرا بھائی میرے بیٹے کو پھنسا کر ساری دولت کا مالک نہ بن جائے: چنانچہ میں نے شوکی اینڈ کو کی مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

کچھ دن پہلے عدالت کے کمرے میں میں نے ان کی کارروائی دیکھی تھی، لہٰذا یہ کتاب میں ان کے حوالے کر دوں گا، تاکہ وہ اسے میری موت کے بعد پڑھیں۔ موت سے پہلے پڑھنے کی صورت میں انہیں میرے جرم کی اطلاع پولیس کو دینا پڑے گی اور پولیس مجھے گرفتار کرے گی — میں پھانسی پانے سے بہت ڈرتا ہوں — میرا قاتل اچانک مجھ پر وار کرے گا — یہ صورت میرے لیے آسان ہو گی، لہٰذا اگر مجھے قتل کر دیا جائے اور میرے قتل کے الزام میں میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا جائے تو میری دولت کے وارث شوکی اینڈ کو کے چاروں کارکن ہوں گے۔ نہ کہ میرا بھائی — میرے فیصلے کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا — کیونکہ عدالت کی نظروں میں میرا بھائی لاکھ بے گناہ سہی، میرا قاتل وہی ہو گا۔ انہی الفاظ پر میں اس کتاب کو بند کرتا ہوں، لیکن آخر میں شوکی اینڈ کو سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر پولیس میرے بیٹے کو بے گناہ قرار دے دے تو وہ ساری دولت میرے بیٹے کے حوالے کر دیں؛ البتہ اپنا معقول معاوضہ ضرور وصول کر سکتے ہیں۔"

یہاں تک سنا کر جلالی نور خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں ہم پر جم گئیں — ہم گھبرا گئے — ہمارے لیے یہ انکشاف حد درجے حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا کہ امیر بینا اپنے بیٹے کے پکڑے جانے کی صورت میں کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہمیں بنا گئے ہیں، لیکن اس سے

کہیں زیادہ سنسنی خیز ہمارے لیے انسپکٹر جلالی نور کی آنکھیں تھیں جو ہمیں مسلسل گھور رہی تھیں۔

"آپ — آپ ہمیں اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔" اشفاق ہکلایا۔

"تم چاروں نے امیر بیگ کے روانہ ہوتے ہی یہ کتاب کھول کر پڑھ لی تھی اور جب اس کے آخری الفاظ تم نے پڑھے تو تم اچھل پڑے، کروڑوں کی جائیداد تمہیں مل سکتی تھی؛ چنانچہ تم اگلے دن پروگرام بنا کر یہاں پہنچ گئے۔ اس سے پہلے تم نے فون پر بات کرنے کا ڈھونگ بھی رچایا، تاکہ ملازم کی گواہی دلوا سکو— تم اس کھڑکی کے ذریعے اس کمرے میں داخل ہوئے جو گلی میں کھلتی ہے اور جس میں سلاخیں بھی نہیں ہیں۔ تم نے ان کی کمر میں خنجر گھونپا اور باہر نکل گئے لیکن جاتے وقت بوکھلاہٹ میں تم یہ کتاب یہیں گرا گئے، پھر صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ تاکہ لوگوں کا تم پر شک بھی نہ جا سکے۔ اسی لیے زاہد کریم کی انگلیوں کے نشان کتاب کی جلد پر نہیں پائے گئے۔ کیونکہ یہ تو کتاب لینے کے لیے تمہارے پاس گئے بھی نہیں تھے۔ لہذا میں تم چاروں کو گرفتار کرتا ہوں۔"

اس کے آخری الفاظ نے ہمیں لرزا دیا— یہ بات تو ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی کہ ہمیں قاتل سمجھ لیا جائے گا— ہم سن ہو کر رہ گئے— باقی لوگ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

"انسپکٹر غفور صاحب، دیکھ کیا رہے ہیں۔ انہیں گرفتار کر لیجیے۔ میں آپ کے ساتھ مل کر کیس تیار کراؤں گا اور انہیں پھانسی کے تختے تک پہنچاؤں گا— اب آئی جی صاحب اور جج صاحب کو پتا چلے گا کہ یہ جاسوسی کی آڑ میں کیا کارنامے انجام دے رہے ہیں۔"

"یہ — یہ عجیب کیس ہے۔ میری زندگی کا یہ ایک حیرت انگیز ترین واقعہ ہے۔" انسپکٹر غفور کے منہ سے نکلا، پھر اس نے اپنے نائب کو اشارا کیا کہ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔ میرا، اشفاق اور اخلاق کا رنگ زرد پڑ گیا۔ ہم تھر تھر کانپنے لگے— لیکن آفتاب میں شاید ابھی کچھ ہمت باقی تھی؛ چنانچہ اس نے کہا۔

"کیا آپ ہمیں اپنے وکیل کو فون بھی نہیں کرنے دیں گے؟"

"ہاں ضرور، کیوں نہیں، لیکن اس سے کہیے گا کہ حوالات میں ہی آ کر بات کرے، ہم یہاں اس کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" یہ کہہ کر آفتاب فون کرنے کے لیے اٹھا، پھر مجھ سے بولا:

"بھائی جان، فون آپ کریں تو بہتر رہے گا۔

"اچھا۔" میں نے کہا اور ڈگمگاتے، لڑکھڑاتے قدموں سے فون تک گیا، پھر تیزی سے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کہا گیا:

"یہ آئی جی صاحب کا دفتر ہے۔ آپ کو کن سے بات کرنا ہے؟"

"انہی سے، میں شوکی اینڈ کو کا نمائندہ شوکی بول رہا ہوں۔"

"اوہ، تو آپ ہیں۔" آپریٹر شاید مجھے جان گیا تھا، پھر اس نے جلد ہی آئی جی انوار عالم صاحب سے سلسلہ ملا دیا۔

"ہیلو، شوکی خیر تو ہے؟"

"کیا آپ چند منٹ تک کے لیے میری بات سن سکتے ہیں۔" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں، کیوں خیر تو ہے۔ تم تو بہت گھبرائے ہوئے ہو۔"

"جی ہاں سنیے۔"

اور میں نے انہیں مختصر طور پر سارے حالات سنا دیے، پھر بولا:

"اور اب جلالی نور صاحب ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہوں، فون انہیں دے دو۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر۔" میں نے کہا اور جلالی نور کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"جلالی صاحب، آئی جی صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو یہ تم نے اپنے وکیل کو فون کیا ہے۔"

"جی ہاں، ان حالات میں ہمارے لیے ان سے بہتر وکیل کوئی ثابت نہیں ہو سکتے۔"

جلالی نور نے ریسیور لیا اور بات کرنے لگا۔ اس نے بھی اپنے حساب سے سارے واقعات دہرائے اور آخر میں کہا:

"جی ہاں، مجھے سو فیصد یقین ہے کہ قاتل یہی ہیں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔"

پھر وہ دوسری طرف کی گفت گو سنتا رہا اور آخر ریسیور رکھتے ہوئے ہماری طرف مڑا۔ پہلے تو اس نے ہمیں ڈرامائی انداز میں گھورا، پھر بولا:

"آئی جی صاحب نے آخر کار تمہیں گرفتار کرنے کی اجازت دے ہی دی۔"

"کیا؟" ہمارے منہ سے ایک ساتھ چلانے کے انداز میں نکلا۔

○

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ ہمارے دماغ سائیں سائیں کر رہے تھے۔ آخر جلالی نور نے کہا:

"ہاں، لیکن انہوں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو ہتھکڑیاں پہنا

کر نہ لے جایا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود کل عدالت میں حاضر ہوں گے، کارروائی سنیں گے۔"

"ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔" میری آواز جیسے کسی اندھے کنوئیں سے نکلی۔

"حالاں کہ یقین آنا چاہیے۔ آئی جی حد درجے قانون کا احترام کرتے ہیں اور ایسی کوئی سفارش نہیں کر سکتے جو کل ان کی بدنامی کا باعث بنے، لہٰذا تم ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چل رہے ہو۔"

جلالی نور کے الفاظ نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اب ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ قانون کے آگے آئی جی صاحب بھی مجبور تھے، لہٰذا میں نے کہا:

"اگر یہ بات ہے تو پھر چلیے، ہم بھی ان کی بدنامی نہیں چاہیں گے؛ تاہم اتنا ضرور سن لیں کہ واقعات کی جو تفصیل ہم نے آپ سب کے سامنے بیان کی ہے، وہ صرف بہ صرف درست ہے۔ اس میں ایک فی صد بھی جھوٹ شامل نہیں۔ آپ ہمیں حوالات میں ضرور بند کر دیں۔ کل عدالت میں ضرور پیش کریں، لیکن آپ ہمیں قاتل ثابت نہیں کر سکیں گے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہوں تو ہمیں صرف چند گھنٹوں کی مہلت دے دیں۔ ہم قاتل کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

"سوری، قاتلوں کو تو ہم پکڑ چکے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

ہم کوٹھی سے باہر نکلے۔ صدر دروازے پر ایک لمبے لمبے بالوں والا آدمی گھنٹی بجاتا نظر آیا۔ ہمارے نکلتے نکلتے امیر بیٹا کا ملازم باہر نکلا اور بولا:

"جی فرمائیے، آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"میرا نام ادریس ٹمامی ہے۔ مجھے....." ہم اس کے باقی الفاظ نہ سن سکے، کیونکہ ہم جلالی نور کے ساتھ ساتھ جیپ کی طرف چل پڑے تھے۔ جلالی نور نے ہمیں جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھنے کا اشارا کیا۔ ہمارے ساتھ دو کانسٹیبل بھی تھے۔ اگلے حصے میں دونوں انسپکٹر صاحبان بیٹھ گئے۔ اس طرح ہم حوالات تک پہنچے۔ ابھی آدھ گھنٹا بھی نہیں گزرا تھا کہ ابا جان آ گئے۔ نزدیک آتے ہی انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"تمہاری امی بھی آنا چاہتی تھیں، لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ تم گھبرا تو نہیں رہے؟"

"جی بالکل نہیں، کیونکہ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔"

"شاباش۔ اب مجھے ایک ایک بات پوری تفصیل سے سنا دو۔ میں نے وکیل صاحب سے بات کر لی ہے۔ وہ میرے بچپن کے دوست ہیں۔ ہم سرکاری کیس کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں گے۔"

ہم حیران رہ گئے، ہمارا خیال تو یہ تھا کہ جوں ہی ابا جان یہاں

پہنچیں گے، وہ ہم پر گرجیں گے، برسیں گے اور کہیں گے کہ کیا انہوں نے پہلے ہی ایسے کاموں سے منع نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے تو ایسی ایک بات بھی نہیں کہی تھی۔ وہ تو ہم سے ذرا بھی ناراض دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس چیز نے ہمیں بہت حوصلہ بخشا اور میں نے تمام واقعات انہیں تفصیل سے سنا دیے، پھر بولا:

"اب ہماری آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"کیسی درخواست؟" وہ چونکے۔

"آپ اور وکیل صاحب کل عدالت میں تشریف ضرور لائیں۔ آئی جی صاحب بھی آئیں گے، لیکن آپ لوگ ہمارا کیس نہیں لڑیں گے۔"

"کیوں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کیس ہم خود لڑیں گے، ہم اپنی وکالت خود کریں گے۔"

"بھئی دیکھ لو، وکالت کرنا ایک بالکل مختلف کام ہے، جو گر وکیل حضرات استعمال کر سکتے ہیں، تم ان سے واقف بھی نہیں ہو۔"

"پروا نہیں، ہم صرف اپنی اپنی عقلوں کو کام میں لائیں گے۔"

"تم لوگ کہیں کام خراب نہ کر دو۔ مجھے میرے ایک ہمدرد کانسٹیبل نے بتایا ہے کہ جلالی نور نے انسپکٹر غفور کو پٹی پڑھائی ہے کہ سرکاری وکیل سے مل کر کیس اسی جج کی عدالت میں لگوایا جائے، جس جج کی عدالت میں تم نے اپنا پہلا کیس حل کیا تھا۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"پتا نہیں یہ اچھی بات ہے یا نہیں؛ بہرحال جلالی نور کا پروگرام یہ ہے کہ تم چاروں کو جج صاحب کی نظروں میں گرا دے۔"

"اللہ مالک ہے۔"

آخر ابا جان چلے گئے، وہ ذرا بھی فکرمند نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم بھی گھبراہٹ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ ہم حوالات کے تنگ و تاریک اور بدبو سے بھرے کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور واقعات کا تجزیہ کرنے لگے۔ یوں تو واقعات بالکل صاف اور سیدھے نظر آتے تھے، لیکن ان میں کہیں نہ کہیں گھماؤ پھراؤ ضرور تھا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں ابا جان کو ایک ضروری بات بتانا بھول گیا تھا۔ اس سلسلے میں صرف ابا جان ہی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ خیر، میں نے سوچا، رات کو ابا جان کھانا لے کر تو آئیں گے ہی۔

جوں ہی ابا جان آئے، میں نے انہیں وہ بات بھی بتا دی اور انہوں نے وعدہ کیا کہ معلومات حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

دوسرے دن جب ہمیں عدالت میں پیش کیا گیا تو عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بعد میں ہمیں اس کی وجہ معلوم ہوئی۔ دراصل جلالی نور ہماری گرفتاری کی خبر اخبارات میں نمایاں جگہوں پر شائع کرائی تھی۔ خبروں

میں ہمارے پچھلے کارنامے کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنے بہت سے لوگ عدالت کی کارروائی سننے آئے تھے۔ آئی جی انوار عالم پریس گیلری میں تشریف فرما نظر آئے۔ ابا جان اور ان کے دوست وکیل اگلی قطار میں ہمارے کافی نزدیک بیٹھے تھے۔ یہاں توقیر بینا اور زاہد کریم بھی موجود تھے۔ امیر بینا کا وہ ملازم بھی موجود تھا، جس سے کل ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور ملازم صورت آدمی بیٹھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ضرور امیر بینا کا دوسرا ملازم ہے جو کل چھٹی پر تھا۔

ہم تماشائیوں پر تفصیلی نظر ڈال رہے تھے کہ اچانک میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — میں نے اشفاق، اخلاق اور آفتاب سے سرگوشی کی —

"اس لمبے بالوں والے کو دیکھ رہے ہو، بھلا ہم نے اسے کہاں دیکھا تھا؟"

"اچھی طرح یاد ہے۔ جب ہم کل جلالی نور اور انسپکٹر غفور کے ساتھ کوٹھی سے باہر نکل رہے تھے تو اس وقت یہ شخص دروازے کی گھنٹی بجا رہا تھا اور ملازم کو اس نے اپنا نام ادریس ٹامی بتایا تھا۔ پتا نہیں کس سے ملنے آیا تھا — ہم اس وقت جیپ کی طرف بڑھ گئے تھے —

"ہاں، تم نے بالکل ٹھیک کہا" میں نے بے چین ہو کر کہا اور

پھر ابا جان کی طرف دیکھا — میری آنکھوں میں بے چینی پڑھ کر وہ فوراً اٹھ کر کٹہرے کے پاس آئے۔ ابھی چونکہ جج صاحب نہیں آئے تھے۔ اس لیے ملزموں سے بات چیت کی جا سکتی تھی —

"کیا تم اپنی امی کے لیے پریشان ہو، میں انہیں ساتھ نہیں لایا" انہوں نے کہا۔

"جی نہیں، آپ نے اچھا کیا، انہیں ساتھ نہیں لائے — یہ کسی طرح بھی اچھا نہیں لگتا"

"تو پھر؟"

"میں نے آپ سے ادریس ٹامی نامی ایک آدمی کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے بارے میں کہا تھا، کیا آپ نے کوشش کی تھی"

"ہاں، اور تم یہ سُن کر خوش ہو گے کہ میں نے پتا چلا لیا ہے۔ وہ ایک فلم ایکٹر ہے اور ہر فن مولا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ میں امیر بینا کے ملازم سے بھی ملا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ ادریس ٹامی توقیر بینا کا گہرا دوست ہے اور اکثر اسے ملنے کے لیے آیا کرتا ہے۔ کل بھی وہ توقیر بینا سے ملنے ہی آیا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں قتل کی واردات ہو چکی ہے" ابا جان دبی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"فلمی اداکار ہے اور ہر فن مولا سمجھا جاتا ہے" میں نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

"ہاں —"

"لیکن یہ یہاں کیا کر رہا ہے ؟"

"بھئی کل توقیر بینا نے اسے ساری باتیں بتائی ہوں گی، لہذا وہ بھی کارروائی دیکھنے کے لیے آ گیا — تم دیکھ نہیں رہے۔ اس وقت بھی وہ توقیر بینا کے ساتھ بیٹھا ہے۔"

"جی ہاں، ہم دیکھ رہے ہیں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے، وکیل کی مدد کے بغیر اپنی وکالت کر لوگے ؟" انہوں نے قدرے فکرمند لہجے میں کہا۔

"اللہ پر بھروسا رکھیں۔" میں نے کہا۔

ابا جان پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ آخر ٹھیک ساڑھے سات بجے جج صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ انہیں دیکھ کر تمام لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کے بیٹھنے کے بعد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سرکاری وکیل نے کوشش کر کے سب سے پہلا کیس ہمارا ہی لگوایا تھا۔

جج صاحب نے ہم چاروں کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا، پھر سرکاری وکیل کی طرف متوجہ ہوئے:

"کیس پیش کریں۔"

سرکاری وکیل نے تمام واقعات تفصیل سے سنا دیے اور آخر میں بولا:

"کالی کتاب پڑھنے کے بعد یہ لوگ لالچ میں آ گئے۔ کروڑ پتی بننے کا ان کے لیے سنہری موقع تھا۔ انہوں نے فوری طور پر امیر بینا

کو ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یہ کھڑکی کے راستے اندر داخل ہوئے۔ خنجر کے ذریعے امیر بینا کو ہلاک کیا۔ واپس کھڑکی کے ذریعے ہی گلی میں پہنچے اور پھر کچھ منٹ گزار کر صدر دروازے پر آ کر گھنٹی بجا دی، لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ یہ کالی کتاب بھی ساتھ لے آئے تھے، جو ان سے موقع واردات پر گر گئی اور لاش کے نیچے دب گئی۔ کتاب پر ان کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں، جب کہ زاہد کریم کی کسی انگلی کا نشان کتاب پر موجود نہیں۔" یہاں تک کہہ کر سرکاری وکیل رک گیا — چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پھر بولا:

"ان حالات کی روشنی میں ان چاروں کی ضمانت منظور نہ کی جانے کی درخواست کی جاتی ہے، تاکہ مزید تفتیش کی جا سکے۔"

"وکیل صفائی کیا کہنا چاہتے ہیں ؟" انہوں نے چاروں کی طرف دیکھا۔

"جی عرض کرتا ہوں۔ اس قتل سے ہمارا بس اتنا ہی تعلق ہے کہ امیر بینا نے ہمیں ایک کالے رنگ کی کتاب امانت کے طور پر رکھنے کے لیے دی تھی اور یہ ہدایت کی تھی کہ کتاب ان کی وفات سے پہلے ہرگز نہ پڑھی جائے — ہم نے کتاب الماری میں بند کر دی، لیکن دوسرے دن امیر بینا پھر ہمارے پاس آئے اور کتاب واپس لے گئے۔ لیکن بعد میں جب ہم نے غور کیا تو محسوس ہوا کہ وہ امیر بینا سے بالکل ملتا جلتا کوئی آدمی تھا۔ تصدیق کرنے کے لیے ہم نے امیر بینا

کو فون کیا۔ وہ اس وقت سو رہے تھے۔ دوبارہ فون کیا تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ تین بجے سے پانچ بجے تک سوئے رہے ہیں۔ ہماری سٹی گم ہوگئی۔ ابھی فون پر گفت گو ہو ہی رہی تھی کہ ان کے غرغرانے کی آواز سنائی دی، پھر ریسیور گرنے کی آواز سنائی دی۔ ہم نے خطرہ محسوس کیا اور صورت حال معلوم کرنے کے لیے آ گئے۔ اب ہم اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتے ہیں، ملازم ہمارے اس بیان کی تصدیق کر سکتا ہے کہ ہم نے ایک بار پانچ بجے سے پہلے فون کیا اور پھر پانچ بج کر ایک دو منٹ پر — اس وقت امیر بینا زندہ تھے کیونکہ ملازم نے انہیں ہمارے فون کی اطلاع خود جا کر دی تھی — اس نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دوسرا فون ان کے کمرے میں ہی تھا، لیکن ان کے سونے کی وجہ سے ریسیور الگ رکھ دیا جاتا ہوگا؛ چنانچہ ملازم کو فون کی اطلاع دینے کے لیے خود جانا پڑا۔ پانچ بج کر تقریباً پانچ منٹ تک وہ ہم سے باتیں کرتے رہے اور پھر ان کا قتل ہو گیا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں موت کا بالکل درست وقت ملاحظہ فرمایا جائے۔ ہم امیر بینا کے گھر سے اس وقت اتنی دُور تھے کہ تیز سے تیز ٹیکسی بھی پندرہ منٹ سے پہلے ہمیں وہاں نہیں پہنچا سکتی تھی اور ہم ان کے دروازے پر پانچ بج کر پچیس منٹ پر پہنچے تھے۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں نے امیر بینا کی کوٹھی

کے آس پاس سے انہیں فون کیا ہو اور پھر قتل کر کے دروازے پر پہنچے ہوں۔"

ہمارے ٹیلی فون سے کل صرف دو کالیں کی گئی تھیں۔ ایکسچینج سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس نمبر پر کالیں کی گئیں۔ اب تو ہمارے ہاں کمپیوٹر سسٹم رائج ہے۔" میں نے بارعب آواز میں کہا۔ جج صاحب ایک دم سرکاری وکیل کی طرف مڑے:

"کیا فون کالوں کی تصدیق کی گئی تھی؟"

"جج — جی نہیں۔"

"فوری طور پر تصدیق کی جائے، کیونکہ اس طرح تو یہ بالکل بے گناہ ثابت ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر۔"

"دس منٹ کے لیے عدالت برخاست کی جاتی ہے۔" یہ کہہ کر جج صاحب ریٹائرنگ روم میں چلے گئے۔ میں نے اشارے سے ابا جان کو بلایا — ان کے ساتھ ان کے دوست وکیل بھی ہمارے نزدیک آ گئے۔

"جوں ہی ہماری بے گناہی ثابت ہوگی، میں ایک درخواست جج صاحب سے کروں گا۔ اگر انہوں نے درخواست منظور کر لی تو آپ کو فوری طور پر ایک کام کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ہم ضرور کریں گے۔" ابا جان بولے۔

"ہم بے حد شرمندہ ہیں، آپ کو تکلیف دے رہے ہیں؛ حالانکہ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو کسی کیس میں زحمت نہیں دیا کریں گے۔" میں نے درد بھری آواز میں کہا۔

"ارے، تم فکر نہ کرو، میں بالکل محسوس نہیں کر رہا ہوں، بلکہ مجھے تو بہت لطف آ رہا ہے۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"شکریہ ابا جان۔"

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کام کیا کرانا چاہتے ہو؟"

"وہ میں اس کاغذ پر لکھ کر دے رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے دو تین جملے لکھے اور کاغذ ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے کاغذ پر ایک نظر ڈالی اور پھر حیران رہ گئے۔

ٹھیک دس منٹ بعد سرکاری وکیل اور انسپکٹر صاحبان عدالت کے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے تنے ہوئے چہروں سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہم بے گناہ ثابت ہو گئے ہیں۔ چند سیکنڈ بعد جج صاحب بھی اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

"فون کالوں کی تصدیق ہو گئی یا نہیں؟" جج صاحب بولے۔

"جی ہو گئی۔" سرکاری وکیل نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ ان کے فون سے دو کالیں امیر بینا کے نمبر پر کی گئیں۔ ایک پانچ بجے سے پہلے ایک پانچ بج کر تین منٹ پر۔ گفت گو تقریباً دو منٹ جاری رہی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ قتل کا بالکل صحیح وقت پانچ

بج کر پانچ منٹ بتاتی ہے۔"

"تب تو قاتل یہ لوگ نہیں ہیں۔"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔"

"تو پھر یہ کٹہرے میں کس لیے کھڑے ہیں۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا، ان لوگوں کو بلا وجہ پھانسا گیا ہے۔ کیس کی نئے سرے سے تفتیش کی جائے۔" یہ کہہ کر جج صاحب ریڈر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ میں بول پڑا:

"جناب والا، میں بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

وہ چونک کر ہماری طرف مڑے۔ مسکرائے اور پھر بولے:

"اب کیا بات رہ گئی ہے۔"

"تفتیش میں بہت سا سرکاری روپیہ ضائع ہو گا، جب کہ یہ کیس ہم یہیں عدالت کے کمرے میں ہی حل کر سکتے ہیں اور اصل مجرم کی بھی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ عدالت کچھ وقت دے سکے۔"

"اور تم لوگ کتنا وقت لو گے؟"

"امید ہے کہ آدھ گھنٹے میں معاملہ نبٹ جائے گا۔" میں نے کہا۔ جج صاحب نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس روز کے باقی ماندہ کیسوں کے بارے میں ریڈر سے معلوم کیا اور آخر بولے:

"اچھی بات ہے، میں تمہاری صلاحیتوں کے پیشِ نظر تمہاری درخواست

منظور کرتا ہوں۔ ارے انوار عالم صاحب، آپ بھی تشریف فرما ہیں۔ میں نے تو ابھی دیکھا۔" جج صاحب حیران رہ گئے۔

"جی جناب، میں بھی ان لوگوں کی گرفتاری سے پریشان ہوگیا تھا۔ انہوں نے گرفتاری سے پہلے مجھے فون کرنے کی اجازت انسپکٹر صاحب سے لی تھی اور پھر فون پر سارے حالات مجھے سنائے تھے۔ میں نے جب انسپکٹر جلالی نور سے کہا کہ یہ کام ان لوگوں کا نہیں ہو سکتا تو انہوں نے یقین دلایا کہ ضرور یہ کام انہی کا ہے؛ چنانچہ میں بھی مجبور ہو گیا۔ ان کی سفارش نہ کر سکا، لیکن آج کی کارروائی سننے کے لیے بے چین ہوگیا۔ میری دعا یہ تھی کہ آپ ابتدائی سماعت کے بعد ان کی درخواست منظور کرلیں ۔ کیونکہ میں سفارش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خدا کی مہربانی سے وہ وقت ہی نہیں آیا اور انہوں نے خود ہی معاملہ نبٹا لیا۔"

"یہ بہت تیز ہیں ۔ اب دیکھیے، یہ کیا کرتے ہیں۔" جج صاحب خوش ہو کر بولے، پھر ہماری طرف مڑے۔

"ہاں بھئی، شروع ہو جاؤ، لیکن خیال رہے، میں صرف آدھ گھنٹا دے سکوں گا۔"

"مطمئن رہیے جناب والا، عدالت کی اجازت سے میں ایک بار پھر واقعات دہراتا ہوں اور اس مرتبہ اس ترتیب سے دہراؤں گا، جس ترتیب سے ہمارے خیال میں واقعات پیش آئے ہیں۔ رات حوالات

کے کمرے میں مچھروں کی وجہ سے نیند تو آ نہ سکی، لہٰذا ہم کیس پر غور کرتے رہے؛ چنانچہ ہم حوالات کے مچھروں کے بھی شکر گزار ہیں۔"

میری اس بات پر عدالت میں زور دار قہقہہ لگا۔ جج صاحب اور انوار عالم بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے ۔ اور میں اپنا بیان سنانے کے لیے تیار ہوگیا۔ جوں ہی عدالت میں خاموشی چھائی، میں نے کہنا شروع کیا۔

عدالت میں

"امیر بیگنا دو دن پہلے ہمارے پاس کالی کتاب لے کر آئے تھے — ان کا خیال تھا کہ کوئی انہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اپنی زندگی کے واقعات انہوں نے اس کتاب میں درج کر دیے تھے اور اس شک کا اظہار بھی کیا تھا کہ انہیں کون قتل کرنا چاہتا ہے۔ آخر میں انہوں نے یہ لکھا کہ وہ چاہتے ہیں، قاتل کسی طرح بھی ان کی دولت حاصل نہ کر سکے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے چھوٹے بھائی زاہد کریم انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں اور قتل کا شبہ ان کے بیٹے توقیر بیگنا پر ڈالنا چاہتے ہیں، تاکہ توقیر بیگنا تو پھانسی پر چڑھ جائیں اور وہ ساری دولت کے مالک بن جائیں — انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان کے بھائی اپنے حصے کی دولت لے کر الگ ہو گئے تھے اور یہ دولت انہوں نے جوئے اور ریس میں ضائع کر دی، لہٰذا اب وہ تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں — یہ بات ان کے بھائی زاہد کریم نے بھی تسلیم کی ہے — امیر بیگنا مرحوم کی خواہش یہ تھی کہ اس کتاب کو ان کی موت سے

پہلے ہرگز نہ پڑھا جائے، کیونکہ اس میں انہوں نے وہ ترکیب بھی لکھ دی تھی، جس پر عمل کر کے قاتل دولت کا مالک نہیں بن سکتا تھا۔ کتاب کو بطور امانت رکھنے اور ان کی موت کے بعد اسے پڑھ کر اس پر عمل کرنے کے بدلے میں انہوں نے ہمیں دس ہزار روپے معاوضہ بھی دینا چاہا، لیکن ہمارے خیال میں دس ہزار روپے معاوضہ زیادہ تھا؛ چنانچہ ان میں سے صرف پانچ ہزار روپے لیے۔ یہ دونوں چیزیں ہم نے ایک الماری میں رکھ دیں اور الماری کو تالا لگا دیا۔ دوسرے دن امیر بیگنا کی شکل صورت سے بالکل ملتا جلتا ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ ہم اسے امیر بیگنا ہی سمجھے۔ آواز ضرور ہمیں بیٹھی سی لگی، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی — گلا خراب ہونے پر آواز بیٹھ ہی جایا کرتی ہے اس شخص نے کہا کہ اب انہوں نے جان لیا ہے کہ انہیں کون جان سے مارنا چاہتا تھا۔ اس سے میں نے بات چیت کر لی ہے، لہٰذا اب کتاب یہاں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کتاب واپس دے دیں۔ ہم بھلا کیا کہہ سکتے تھے۔ ہم انہیں امیر بیگنا سمجھ رہے تھے۔ وہ کتاب کے مالک تھے۔ انہوں نے بطور امانت ہمارے پاس رکھوائی تھی۔ ہم دینے سے کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ ہاں، اگر ہمیں اس وقت یہ شک ہو جاتا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص امیر بیگنا نہیں، انہی جیسی شکل اور صورت کا کوئی اور آدمی ہے تو پھر ہم ضرور محتاط ہو جاتے، لیکن یہ خیال ہمیں اس وقت آیا، جب وہ کتاب اور رقم لے کر جا چکا تھا۔ ہم نے فوراً

امیر بینا صاحب کو فون کیا۔ وہ ہمیں اپنا فون نمبر دے گئے تھے۔ ملازم نے بتایا کہ وہ سو رہے ہیں، پانچ بجے جاگیں گے؛ چنانچہ ہم نے پانچ بجنے پر پھر فون کیا اور ان سے بات کی تو پتا چلا، وہ تین بجے سے پانچ بجے تک سوتے رہے ہیں۔ اب ہم جان گئے کہ ہمارا خیال ٹھیک تھا۔ کتاب ہم سے کوئی اور لے اڑا تھا۔ ابھی فون پر گفت گو جاری تھی کہ امیر بینا کی کمر میں خنجر گھونپ دیا گیا۔ ہم نے غڑاہٹ کی آواز سنی، پھر ریسیور گرنے کی آواز سنی اور ہم ادھر دوڑ پڑے۔ گھنٹی کی آواز پر ملازم دروازے پر آیا اور پھر اطلاع دینے اندر چلا گیا، پھر ہم نے اس کی چیخ کی آواز سنی۔ اب ہم سے باہر نہ ٹھہرا گیا اور اندر داخل ہو گئے۔ ہم نے دیکھا امیر بینا قالین پر اوندھے منہ پڑے تھے اور خنجر ان کی کمر میں دستے تک پیوست تھا۔ اس کے بعد پولیس کو فون کیا گیا اور جب تصاویر وغیرہ لی جا چکیں تو لاش کے نیچے سے وہ کالی کتاب مل گئی۔ انسپکٹر جلالی نور نے اسے پڑھنا شروع کیا اور پھر یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ امیر بینا اپنے قتل کی صورت میں اپنی ساری دولت کا مالک ہمیں بنا گئے تھے۔ اس وقت تک کے لیے جب کہ اصل قاتل پکڑا نہ جائے۔ انسپکٹر جلالی نور صاحب نے اسی بنیاد پر ہمیں گرفتار کر لیا۔ انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ہم نے کتاب امیر بینا کے جانے کے بعد پڑھ لی تھی اور جب اس میں یہ لکھا دیکھا کہ وہ ہمیں مختار بنا گئے ہیں تو دولت پر قبضہ

جمانے کے لیے ہم نے خود انہیں قتل کر دیا اور گھبراہٹ میں کتاب ہم سے وہاں گر گئی۔ جس پر مقتول کا جسم آ گرا۔ خیر، ہم نے ان کا خیال تو غلط قرار دے دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امیر بینا کے خیال کے مطابق تو قاتل صرف اور صرف زاہد کریم ہیں۔ ان کی شکل بھی حیرت انگیز طور پر اپنے بڑے بھائی سے ملتی جلتی ہے؛ لہٰذا ہم یہ کہیں گے کہ وہ یہی تھے، جنھوں نے کتاب اور رقم ہم سے حاصل کی۔"

یہاں تک کہہ کر میں نے ڈرامائی انداز میں تماشائیوں کی طرف دیکھا۔

"یہ بالکل غلط ہے، میں تم لوگوں کے پاس ہرگز نہیں گیا۔ میں نے تو تم لوگوں کو دیکھا بھی نہیں اور پھر خود اگر کتاب میں نے تم لوگوں سے حاصل کی تھی تو پھر اس پر میری انگلیوں کے نشان کیوں نہیں ہیں۔ جو شخص تم لوگوں کے پاس آیا، کیا وہ دستانے پہنے ہوئے تھا؟" زاہد کریم نے تلملاتے ہوئے کہا۔

"صبر کریں زاہد کریم صاحب، ہم بغیر ثبوت کے عدالت کے سامنے کوئی بات نہیں رکھیں گے۔ ہاں تو جناب والا، زاہد کریم صاحب کا یہ کہنا بھی بالکل درست ہے کہ ان کی انگلیوں کے نشان کتاب کی جلد پر کیوں نہیں ہیں۔ جلد پر یا تو امیر بینا مرحوم کی انگلیوں کے نشان ہیں یا پھر ہمارے۔ کسی اور انگلیوں کے نشان تو نہیں پائے

گئے انسپکٹر صاحب۔" یہ کہتے کہتے میں انسپکٹر غفور کی طرف مڑا — عدالت میں اگرچہ انسپکٹر غفور کے ساتھ ہی جلالی نور بھی کھڑا تھا۔ مگر میں یہ سوال اس سے نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ کیس کا اصل انچارج تو انسپکٹر غفور تھا۔

"کسی اور کے۔" انسپکٹر غفور گڑبڑا گیا۔

"ہاں مجھے یقین ہے، کتاب کی جلد پر ہماری اور امیر بینا مرحوم کی انگلیوں کے نشانوں کے علاوہ اس شخص کی انگلیوں کے نشان بھی ضرور ہوں گے جو ہم سے کتاب لے گیا تھا۔ اب اگر وہ نشانات زاہد کریم کے نہیں ہیں تو پھر ضرور بالضرور امیر بینا کے بیٹے توقیر بینا کے ہوں گے۔" میں نے دھماکا خیز انداز میں کہا۔

"اوہ، ارے، کیا؟"

یہ مختلف آوازیں تھیں جو میرے خاموش ہوتے ہی عدالت میں گونج اٹھیں۔ خود جج صاحب اور انوار عالم صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ ابا جان اور ان کے دوست وکیل بھی کچھ کم حیران نہیں تھے۔ ایسے میں اگر طنزیہ مسکراہٹ کسی کے چہرے پر ناچ رہی تھی تو جلالی نور اور انسپکٹر غفور کے چہروں پر یا پھر سرکاری وکیل کے چہرے پر —

اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان تینوں کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹ کیوں ناچ رہی ہے۔ جوں ہی عدالت میں خاموشی طاری ہوئی، سرکاری

وکیل بارعب آواز میں بولا:

"جناب والا، یہ لوگ خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو اپنے مقابلے میں شاید بالکل ہی گیا گزرا خیال کرتے ہیں؛ حالانکہ میرا خیال ہے کہ یہ ابھی کل کے بچے ہیں۔ اس کی آواز پرسکون، ٹھہری ہوئی اور پر وقار تھی۔ ہمیں غصہ دلانے والی تھی۔ مگر ہم بھلا غصے میں آنے والے کہاں تھے۔ تھوڑا بہت غصہ آفتاب کو آیا بھی تو میں نے اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر رکھ دیا۔

"بھائی جان یہ کٹہرے کا فرش نہیں، میرا پاؤں ہے۔" اس نے تلملا کر سرگوشی کی۔

"یہی تمہیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ عدالت کا کٹہرا ہے، ہمارا دفتر نہیں۔ اپنے غصے کو سنبھال کر رکھو، شاید پھر کبھی کام آ جائے۔" میں نے بھی بھنائے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی — ادھر جج صاحب اور باقی سب کی نظریں ہم پر جمی ہوئی تھیں، کیوں کہ ابھی تک میں نے سرکاری وکیل کی بات کا جواب نہیں دیا تھا؛ چنانچہ میں نے جلدی سے کہا:

"جناب والا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ابھی کل کے بچے ہیں، دوسرے یہ کہ ہم بڑوں کا بہت ادب کرتے ہیں۔ اس لیے میں سرکاری وکیل صاحب کے ان جملوں کا کوئی جواب نہیں دوں گا، جو انہوں نے ہماری ذات کے بارے میں کہے ہیں؛ تاہم میں یہ ضرور پوچھوں

گا کہ اگر کتاب کی جلد پر ہماری اور امیر بینا کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کسی اور کی انگلیوں کے نشان بھی پائے گئے ہیں تو ان نشانات کے بارے میں کیوں یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ وہ کس کے ہیں ۔ کیا وہ نشانات توقیر بینا کے نہیں ہیں اور کیا اس طرح انہوں نے ایک حقیقت کو نہیں چھپایا ؟"

"نہیں ہم نے کچھ نہیں چھپایا۔ ہم نے ان نشانات کے بارے میں بھی تفتیش کی ہے اور ان نشانات کو توقیر بینا کے نشانات سے ملا کر دیکھا ہے، لیکن وہ نشانات توقیر بینا صاحب کے بھی ثابت نہیں ہوئے" سرکاری وکیل کا لہجہ زہریلا تھا۔

"کیا ؟" اس بار چونکنے کی باری ہماری تھی ۔

ہمیں چونکتے دیکھ کر جج صاحب، انوار عالم صاحب، ابا جان اور ان کے دوست کسی قدر فکر مند سے ہو گئے، کیونکہ ہمارے چونکنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے اندازے غلط ہو گئے ہیں۔ یہ محسوس کر کے جج صاحب فوراً ہماری مدد کو بڑھے ۔

"اگر تم لوگ دقت محسوس کر رہے ہو تو میں یہ کارروائی ایک دو دن بعد سن لوں گا ۔"

"جناب عالی، آپ ہمیں آدھ گھنٹے کی مہلت دے چکے ہیں اور اس میں سے ابھی صرف دس منٹ گزرے ہیں ۔"

"تو کیا تم اب بھی یہ سمجھتے ہو کہ کیس کو حل کر دو گے ؟"

"اگر خدا نے چاہا تو ؛ ورنہ ہم کیا چیز ہیں ۔"

"اچھی بات ہے، تو پھر میری طرف سے اجازت ہے ۔ بیس منٹ سے پہلے میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا ۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب ۔" میں نے خوش ہو کر کہا اور سرکاری وکیل کی طرف مڑا۔

"بہت خوب جناب، تو وہ نشانات توقیر بینا صاحب کے نہیں ہیں ۔"

"بالکل نہیں، اس کا اچھی طرح اطمینان کر لیا گیا ہے ۔"

"تو پھر ۔ آخر وہ نشانات کس کے ہیں ؟" میں نے پوچھا۔

"ہم یہ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ۔" سرکاری وکیل نے جواب دیا۔

"تب پھر ہمیں کیوں گرفتار کر لیا گیا تھا اور جب تک ان نشانات کے بارے میں معلوم نہیں ہو جاتا کہ کس کے ہیں، اس وقت تک ہم زاہد کریم صاحب کو کس طرح قاتل خیال کر سکتے ہیں ۔ کیا صرف کالی کتاب کے الفاظ کی بنیاد پر، کیونکہ اس میں زاہد کریم پر ہی شک کیا گیا ہے ۔"

سرکاری وکیل سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اب تو بھری عدالت میں دلچسپی کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ ہر کوئی ہماری طرف دیکھنے لگا۔ آخر میں پھر جج صاحب سے مخاطب ہوا۔

"جناب والا، عدالت میں موجود ایک صاحب ادریس ٹامی کو گواہوں کے کٹہرے میں بلانے کی اجازت دی جائے۔"

"اجازت ہے،" جج صاحب قدرے حیران ہو کر بولے۔

"آئیے ادریس ٹامی صاحب، کٹہرے میں تشریف لائیے۔" میں نے لمبے بالوں والے آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔

یک دم سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ہر کوئی حیران تھا، ادھر ادریس ٹامی کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کرسی سے اُٹھ کر کہا:

"لیکن میں کیوں عدالت کے کٹہرے میں آؤں۔ میرا اس معاملے سے کیا تعلق؟"

"جو کچھ کہنا ہے، کٹہرے میں آ کر کہیے، عدالت آپ کو موقع دے گی۔" جج صاحب بولے۔

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور قطار میں سے نکل کر کٹہرے کی طرف چل پڑا۔ سب کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"پہلے تو آپ حلف اٹھائیے کہ جو کچھ کہیں گے، خدا کو حاضر ناظر جان کر بالکل سچ کہیں گے اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔" ریڈر نے اس سے کہا۔

"میں خدا کو حاضر ناظر جان کر جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا۔ اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"آپ کا کسی بنک میں اکاؤنٹ ہے؟" میں نے اس سے پہلا سوال کیا۔

"جی ہاں، کیوں؟" اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔

"بنک کا نام بتائیے۔"

"قومی بنک، مین بازار والی شاخ۔"

میں نے فوراً ابا جان کی طرف دیکھا اور وہ اٹھ کر کمرۂ عدالت سے باہر چلے گئے۔

"تو فقیر بینا آپ کے دوست ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں، بہت پُرانے دوست ہیں۔"

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

"آخر ان باتوں کا اس کیس سے کیا تعلق ہے۔" اس نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تعلق ہی ثابت کرنے کے لیے پوچھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"سوال کا جواب دیا جائے۔" جج صاحب بولے۔

"میں ایک اداکار ہوں، فلمی اداکار۔"

"فلمی دنیا میں آپ کافی مشہور ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاں، بہت مشہور ہوں۔"

"آپ کن وجوہات کی بنا پر مشہور ہیں؟"

"مجھے ہر فن مولا سمجھا جاتا ہے۔ میں ہر کام کر لیتا ہوں، ہر قسم کے کام۔"

"تب تو آپ میک اپ کے بھی ماہر ہوں گے؟"

"ہاں، میں میک اپ کا بھی ماہر ہوں۔"

"دوسروں کی شکل صورت بھی تبدیل کر سکتے ہوں گے اور اپنی بھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں نے میک اپ کی باقاعدہ تربیت لے رکھی ہے۔ پلاسٹک میک اپ بھی کر لیتا ہوں۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا اور اگلا سوال سوچ ہی رہا تھا کہ آیا جان اندر داخل ہوئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور انہوں نے سر ہلا دیا۔ میں نے فوراً ادریس ٹامی سے سوال کیا:

"کل آپ امیر بینا کے حلیے میں ہمارے دفتر آئے تھے؟"

میرا یہ سوال کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ عدالت میں موجود تمام لوگوں کی آنکھوں میں حیرت مچلنے لگی۔ ادریس ٹامی بت بنا کھڑا رہا۔ اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔

"جواب دیا جائے۔" جج صاحب گرجدار آواز میں بولے۔

"جی ہاں، میں گیا تھا۔" آخر اس نے کہا۔

"اور آپ نے خود کو امیر بینا ظاہر کیا تھا؟"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" اب اس کی آواز میں کھوکھلاپن نمایاں ہو چکا تھا۔

"اور کالی کتاب اور نوٹوں کی گڈی آپ ہم سے لائے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں، آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کو ایسا کرنے کے لیے کیا توقیر بینا نے کہا تھا؟"

"ہاں، توقیر بینا نے ہی کہا تھا۔ میں نے کتاب لا کر انہیں دی تھی۔ انہوں نے کتاب کو پڑھا اور پھر کتاب اٹھائے اپنے والد کے کمرے میں چلے گئے۔ اس وقت انہوں نے ہاتھوں پر دستانے پہن رکھے تھے۔ مجھے انہوں نے جانے کے لیے کہہ دیا؛ چنانچہ میں گھر سے نکل آیا۔ انہوں نے میرے اس کام کا معاوضہ بھی ادا نہیں کیا جو میں نے ان کے لیے کیا تھا۔ اسی لیے میں کچھ دیر بعد ان کے پاس پھر گیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا، امیر بینا کو قتل کر دیا گیا ہے۔ پولیس ان لوگوں کو لے کر باہر نکل رہی تھی، جب میں اندر داخل ہوا۔ پھر میں نے معاوضہ حاصل کیا اور وہاں سے چلا آیا۔"

"تو کتاب آپ نے توقیر بینا کے کہنے پر ہم سے حاصل کی تھی؟"

"ہاں، یہی بات ہے۔"

میں جج صاحب کی طرف مڑا اور بولا:

لیجیے جناب، معاملہ صاف ہو گیا۔ ادریس ٹامی نے وہ چیک بنک میں جمع کرا دیا ہے۔ جو انہوں نے توقیر بینا سے حاصل کیا تھا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ امیر بینا نے باپ کی دولت جلد حاصل کرنے

کے لیے انہیں آہستہ آہستہ زہر دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انہوں نے جو سلوک اپنے باپ سے کیا، وہی سلوک ان کی اولاد نے ان کے ساتھ کیا۔ لیکن وہ یہ خیال کرتے رہے کہ انہیں ان کا بھائی قتل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے یہ کتاب لکھی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا بھائی انہیں کسی طرح ہلاک کردے گا اور شک ان کے بیٹے پر ڈال دے گا۔ اس طرح ان کا بیٹا تو پھانسی پا جائے گا اور بھائی ہر چیز کا مالک بن جائے گا۔ اس چیز کا توڑ انہوں نے یہ نکالا کہ وقتی طور پر ہمیں مختار بنا دیا اور کتاب ہمارے حوالے کر دی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ انہیں تو خود ان کا بیٹا ہلاک کرنے کے درپے ہے اور تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ توقیر بینا بہت دنوں سے اس فکر میں تھا اور دن رات اپنے والد کی نگرانی کرتا تھا۔ اس نے انہیں کتاب لکھتے بھی دیکھا، اس سے پہلے تین بار قاتلانہ حملہ اس نے صرف ایسے موقعوں پر کیا، جب اس کے چچا بھی گھر میں موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امیر بینا کتاب لے کر گھر سے نکلے، تو توقیر بینا نے ان کا تعاقب کیا ہوگا اور ہمارے دفتر تک پہنچ گیا ہوگا، پھر اس نے دروازے کے پاس دیوار سے لگ کر اندر ہونے والی گفت گو بھی سن لی ہوگی اور یہیں سے یہ ادریس ٹامی کے پاس چلا گیا ہوگا۔ پھر اس نے اپنے والد کی تصویر وغیرہ بھی اسے فراہم کی ہوگی؛ چنانچہ دوسرے دن ادریس ٹامی امیر بینا کے میک اپ میں ہمارے پاس آگیا۔ توقیر بینا کی ہدایت کے مطابق اس نے ہم سے قدرے بیٹھی ہوئی آواز میں بات کی، کیونکہ زاہد کریم کی آواز بیٹھی ہوئی سی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہمارا شک مکمل طور پر زاہد کریم صاحب کی طرف چلا جائے۔ کالی کتاب بھی یہی کہانی سنا رہی ہے۔ کتاب ہم سے اسی لیے حاصل کی گئی کہ توقیر بینا کو معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ پڑھنے کے بعد اسے یہ اپنے پاس تو رکھ نہیں سکتا تھا، کیونکہ یہی کتاب تو زاہد کریم کو مجرم ثابت کر رہی تھی اور پھر ہمارا بیان بھی یہی ہوتا کہ ہم سے کتاب زاہد کریم ہتھیا کرلے گیا ہے۔ یہ تھی کل کہانی۔"

یہاں تک کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔ چند سیکنڈ تک خاموشی رہی، آخر جج صاحب بولے:

"ادریس ٹامی اور توقیر بینا کو گرفتار کر لیا جائے اور مسٹر شوکی کے خیالات کی تصدیق کے لیے مزید تفتیش کی جائے، تاکہ اس معاملے میں کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے۔ ادریس ٹامی اور توقیر بینا کو اپنے وکیل کرنے کی اجازت بھی دی جائے اور اس کے ساتھ ہی عدالت شوکی اور ان کے بھائیوں کا شکریہ ادا کرتی ہے۔"

ہم عدالت سے باہر نکلے تو کئی اخباری نمائندے ہمیں گھیر بیٹھے۔ ان سے بہت دیر بعد جان چھوٹی۔ اپنے دفتر پہنچے تو ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ نہ جانے کتنے لوگ ہمیں مبارکباد

دینے پر تلے بیٹھے تھے ۔ جب ہم ڈھیروں مبارک بادیں وصول کر چکے تو دروازے پر نظر پڑی اور ہم دھک سے رہ گئے، کیونکہ وہاں ایک بار پھر امیر بینا صاحب کھڑے تھے ۔

وہی گڈی

"آ ۔ آپ ۔ آپ امیر بینا مرحوم کی روح ہیں یا ان کا بھوت؟" آفتاب ہکلایا ۔

"میں نہ ان کی روح ہوں، نہ بھوت ۔ میں تو ان کا بھائی زاہد کریم ہوں ۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور پھر کمرے میں داخل ہو گئے ۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ میں لپٹا ہوا ایک پیکٹ تھا۔ وہ انہوں نے ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا :

"یہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے آیا ہوں ۔"

"اور یہ ہے کیا ؟" میں نے حیران ہو کر کہا ۔

"کھول کر دیکھ لیجیے ۔"

"تو آپ ہی کھول کر دکھا دیجیے نا ۔ کیا خبر اس میں سے کوئی بم ہی نکل آئے ۔" اشفاق نے منہ بنایا ۔

"اچھی بات ہے ۔" یہ کہہ کر انہوں نے پیکٹ کھول ڈالا ۔ ہم نے دیکھا، اس میں سے سو سو روپے کے نوٹوں والی کئی گڈیاں

موجود تھیں ۔

"یہ ۔ یہ کیا ہے ؟" میں نے ہکلا کر کہا ۔

"یہ آپ کا معاوضہ ہے ۔"

"ہمارا معاوضہ، لیکن کس چیز کا ؟"

"میرے بھائی امیر بینا مرحوم نے جو کام آپ کو سونپا تھا، آپ نے پورا کر دکھایا، لیکن انہوں نے جو معاوضہ آپ کو دیا تھا، وہ آپ کے پاس نہیں رہا، لہذا اب میں آپ کا معاوضہ لے کر آیا ہوں ۔" اس نے کہا ۔

"لیکن یہ پانچ ہزار روپے تو نہیں ہیں ۔" میں نے بوکھلا کر کہا ۔

"ہاں، یہ بیس ہزار روپے ہیں ۔ کچھ میری طرف سے بھی تو ہونے چاہییں ۔"

"جی نہیں ۔ یہ بات غلط ہے ۔ ہم صرف پانچ ہزار ہی لیں گے، زائد ہرگز نہیں ۔"

آخر زاہد کریم کو ہماری بات ماننا پڑی ۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے ؟" میں نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا ۔

"کیسا پروگرام ؟"

"اس سے پہلے تو آپ اپنے حصے کی دولت جوئے میں ہار

چکے ہیں، کیا اب پھر یہی کریں گے ؟"

"نن ۔ نہیں، بہت پہلے مجھے مت آچکی ہے ۔ ایک زمانہ تنگ دستی کا شکار رہا ہوں ۔"

اُس نے سرد آہ بھری اور اٹھ کھڑا ہوا ۔ عین اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا اور امّی جان کی دھاڑتی آواز سنائی دی :

"لڑکو، تم کسی کام کے بھی ہو، یا بس یوں ہی بے کار بیٹھے رہتے ہو ۔"

اور پھر ان کی نظر نوٹوں کی گڈی پر جم گئی ۔ فوراً ہی انہوں نے کہا :

"پھر وہی نوٹوں کی گڈی ۔"

"آپ فکر نہ کریں امّی جان، اس بار اسے واپس لینے کوئی نہیں آئے گا ۔" اخلاق نے ہنس کر کہا ۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور آئی جی انوار عالم صاحب کی آواز سنائی دی :

"بھائی، تم نے تو کمال کر دیا ۔ مجھے جج صاحب نے روک لیا تھا، ورنہ میں اسی وقت تم لوگوں سے ملتا ۔ پتا ہے، جج صاحب کیا کہہ رہے تھے ؟" یہ کہہ کر وہ رکے ۔

"بھلا ہمیں کیا معلوم، وہ کیا کہہ رہے تھے ؟" میں نے حیرت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا ۔

"یہ کہ یہ لڑکے ضرور کسی دن کوئی گل کھلائیں گے۔ خدا کرے ان کا کھلایا ہوا گل ان کے لیے اور ملک اور قوم کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔"

"فکر نہ کریں انکل، ہم اس بات کا ہر ممکن خیال رکھیں گے۔"

اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے بھی سلسلہ بند کرکے تینوں کو جج صاحب کا خیال بتایا۔

"لیجیے، اب ہم مالی بھی بنیں گے۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"لڑکو، میں نے کیا کہا تھا، تم کسی کام کے بھی ہو؟" اچانک امی جان کی آواز پھر کانوں سے ٹکرائی۔

"اوہ ماں امی جان، فرمائیے، آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتی ہیں۔" اشفاق جلدی سے بولا۔

"بس مہربانی فرما کر اندر چل کر کھانا کھالو۔ میں نے بھی کل سے کھانا نہیں کھایا۔"

اور ہم دھک سے رہ گئے۔ ہمیں تو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہمارے حوالات میں بند ہونے سے لے کر اب تک امی جان نے کھانا نہیں کھایا ہوگا اور پھر ہم اٹھ کر بے اختیار ان سے لپٹ گئے۔

"بھئی، میں نے کھانا کھانے کے لیے کہا ہے اور تم مجھے نوچنے

ڈال رہے ہو۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

اور ہم نے ابا جان کا قہقہہ سنا۔ دیکھا تو وہ بھی اندرونی دروازے کے دوسری طرف کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۷۸

دشمن شہر

—— مصنف : اشتیاق احمد ——

- انسپکٹر جمشید کا ایک دوست غائب تھا۔
- ہوٹل کے ہال میں ایک انتہائی لمبا آدمی داخل ہوا اور پھر....
- اور پھر ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔
- اس ہنگامے نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
- ان کا دوست شہر میں کہاں تھا، کیا کر رہا تھا؟
- ایک انتہائی پُراسرار اور خوف ناک آدمی، جس کی سارے شہر پر حکومت تھی۔

قیمت : ۵/۵۰

نوٹ : یہ ناول دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے کا نام "شہر کے قیدی" ہے۔

دشمن شہر کا دوسرا حصہ

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۷۹

شہر کے قیدی

—— مصنف : اشتیاق احمد ——

- مونٹاف کون تھا۔ کیا وہ اس کی شخصیت سے پردہ اٹھا سکے۔
- ان کے لیے شہر سے نکلنے کے تمام راستے بند تھے۔
- انسپکٹر جمشید نے ایک گیراج نما کمرے کا دروازہ کھولا تو دھک سے رہ گئے۔
- اس شخص کی کہانی —— جو بے شمار پردوں میں چھپا ہوا تھا۔
- انہوں نے اس کا سراغ کس طرح لگایا؟

آپ اس مرتبہ کرداروں کو جاسوسی کی نئی راہ پر پائیں گے۔

قیمت : ۵/۵۰

مشہور و معروف مصنف

اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی

سے بھرپور ناول

اس ماہ کے ناول

(۷۶) خونی پروگرام (انسپکٹر جمشید سیریز) ۵/۵۰

(۷۷) انوکھا شکار (" " ") ۵/۵۰

(۲۱) لالچ کا راز (انسپکٹر کامران مرزا سیریز) ۵/۵۰

(۲) کالی کتاب (شوکی سیریز) ۵/۵۰

پچھلے ماہ کے ناول

(۷۵) دشمن شہر (انسپکٹر جمشید سیریز) ۵/۵۰

(۷۵) شہر کے قیدی (" " ") ۵/۵۰

(۲۲) انوکھا پروگرام (انسپکٹر کامران مرزا سیریز) ۵/۵۰

(۳) جعلی آدمی (شوکی سیریز) ۵/۵۰

A. STAR

مکتبہ اشتیاق۔ راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

طباعت: مسرور پریس : پیپر ایم پرنٹرز۔ انارکلی لاہور